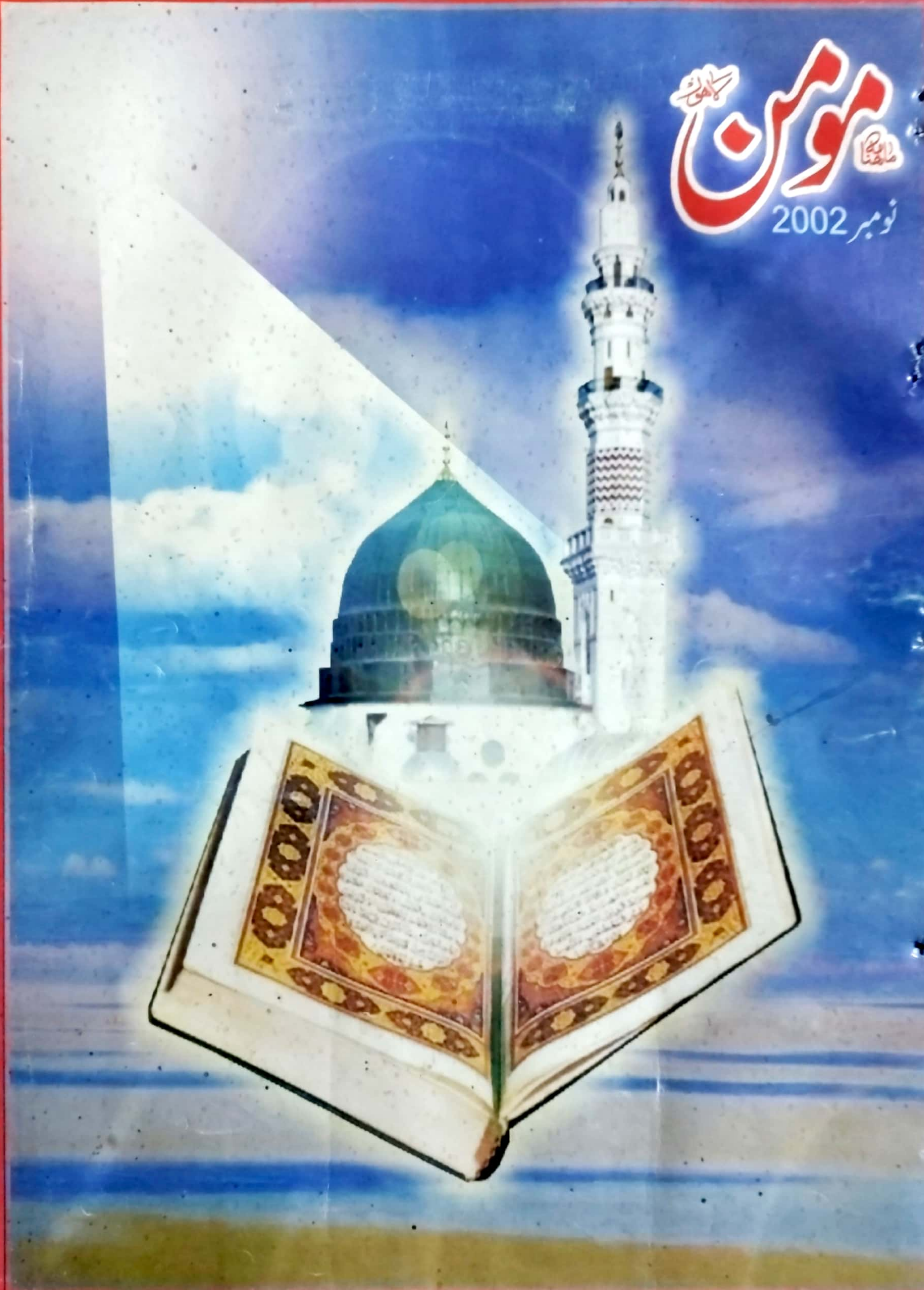

ماہنامہ
مومن
لاہور
نومبر 2002

وَالَّذِينَ آمَنُوا أَشَدُّ حُبًّا لِلّٰهِ

ماہنامہ مومن لاہور

جلد نمبر3 شمارہ نمبر11 نومبر2002ء

صدر نشین غلام رسول شاہد

نگران و منتظم محترمہ اُمِّ کلثوم خان

مدیر مزین رسول ہاشمی

قانونی مشیر خلیل احمد ایڈووکیٹ

سرکولیشن منیجر غلام مجتبیٰ

زیر سرپرستی

سلسلۂ عالیہ توحیدیہ

G-92 ماڈل ٹاؤن لاہور

بدل اشتراک

	فی شمارہ	سالانہ
پاکستان	20روپے	200روپے
انگلستان	1پونڈ	10پونڈ
سعودی عرب	4ریال	40ریال
متحدہ عرب امارات	4درہم	40درہم

خط و کتابت: پوسٹ بکس نمبر 5050 لاہور پاکستان

اشتہارات و ترسیل زر: B-12 سٹی ٹاور 12 ایبٹ روڈ رائل پارک لاہور پاکستان

موبائل: 0300-8466331

فون: +9242-6373219 فیکس: +9242-5881290

email:rasul92@hotmail.com

www.momin.biz

برکتوں اور نعمتوں سے مالا مال ماہِ صیام کی آمد آمد ہے۔ یہ شہر الاسلام ہے۔ اللہ کا خاص مہینہ ہے۔ جس میں ابواب رحمت کھول دیئے جاتے ہیں اور شیاطین پابہ زنجیر کر دیئے جاتے ہیں۔ روزہ دار اور پرہیز گار بندے اپنے خالق یکتا کے مہمان ہوتے ہیں اور اس کے خوانِ بیکراں سے نعمتوں کے نوالے چنتے ہیں نیز صوم وصلوٰۃ، انفاق وزکوٰۃ، نہی از منکرات، طاعت وعبادات اور ادائے خیرات وصدقات کے ذریعے خوشنودی خدا اور رضائے رسول ﷺ کی سعی کرتے ہیں۔ عنایت ایزدی سے نزول قرآن مجید فرقان حمید بھی اسی ماہ مقدس میں ہوا اور یوں لیلۃ القدر بھی اسی ماہ کے مقدر میں ہے جو ہزاروں مہینوں سے افضل و برتر ہے۔ جس میں فرشتے اور روح القدس اذن ربی سے زمین پر اترتے ہیں اور طلوع فجر تک سلامتی ہی سلامتی ہے۔ گویا یہ طلوع فجر طلوع اسلام کی عکاس ہے۔ تجدید عہد کا وقت ہے۔ بہارِ قرآن کا موسم ہے اس مقدس مہینے اور خیر وسلامتی کی ضامن شب قدر میں تلاوتِ قرآن اور قرآنی تعلیمات پر عمل پیرا ہونے کے بہترین مواقع ہیں۔ ہمیں چاہیے کہ ان بابرکت اوقات میں قرآن مجید پر عمل پیرا ہو کر اپنی زندگیوں کو اسلام کے زریں اصولوں کے ڈھانچے میں ڈھال لیں کیوں کہ قرآن ہی وہ "حبل المتین" ہے جسے تھام کر انسان ظلمتوں میں بھٹکنے سے نجات حاصل کر سکتا ہے اور تعمیر وترقی کی راہوں پر گامزن ہو سکتا ہے۔

صدر نشین

حسنِ انتخاب

آئندہ شمارہ میں انشاءاللہ

حفاظت حدیث، امت کا پہلا صوفی، زکوٰۃ، ذکر کی اہمیت، حضرت قبلہ عبدالستار خانؒ، اسلام میں اجتہاد کی اہمیت، علاوہ ازیں سیرت النبی ﷺ، اخلاقیات، ایمانیات، تصوف، نفسیات، صحت وسلامتی اور حالاتِ حاضرہ جیسے عنوانات پر تحقیقی مضامین

پرنٹر و پبلشر: غلام رسول شاہد پہچان پبلی کیشنز B-12 سٹی ٹاور 12 ایبٹ روڈ رائل پارک لاہور

رمضان المبارک

''رمضان'' اسلامی سال کا نواں قمری مہینہ ہے۔ ماہِ شعبان کے اختتام کیساتھ ہی ماہ رمضان کا چاند جلوہ افروز ہوتا ہے۔ ساکنان عالم اور کلمہ گو مسلمانوں کو ماہِ صیام کی نوید سناتا ہے۔ صوم کا مطلب عربی میں رکنا ٹھہرنا ہے۔ یعنی برائیوں سے رُک جانا ہے۔ لغوی معنوں میں صوم کا مطلب ایسا گھوڑا ہے جو مصائب اور مشقت کے لئے تیار کیا جاتا ہے اس طرح اس کا مقصد مسلمانوں کو طاغوتی قوتوں کے خلاف تیار کرنا ہے۔ فارسی زبان میں اسے روزہ کہا جاتا ہے۔ (یعنی ایک دن) چونکہ دن میں رکھا جاتا ہے۔ رمضان کا لفظ ''رمض'' سے ماخوذ ہے اور یہ وہ بارش ہے جو موسم خزاں میں برستی ہے۔ اسے رمضان اس لیے کہا جاتا ہے کیونکہ یہ مہینہ انسانی بدنوں کو گناہوں سے دھوڈالتا ہے۔ نیز دلوں کو بھی خوب پاک صاف کر دیتا ہے۔ لفظ رمضان ۵ حرفی لفظ ہے 'ر' سے رضائے الٰہی 'م' سے اللہ کی محبت 'ض' سے ضمانت 'ا' سے اللہ کی الفت اور 'ن' سے نور، پس یہ مہینہ اللہ کے دوستوں اور نیک لوگوں کے لئے اللہ کی رضا محبت وضمانت، الفت ونور بخشش اور بزرگی کا مہینہ ہے۔ باقی مہینوں میں رمضان کا مقام ایسے ہی ہے جیسے سارے بدن میں دل اللہ رب العزت نے ۲ ہجری میں غزوۂ بدر سے پہلے روزہ رکھنے کا حکم نازل فرمایا۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:۔

''اے ایمان والو! تم پر روزے فرض کیے گئے جس طرح تم سے پہلی امتوں پر تا کہ متقی بن جاؤ''

قرآن حکیم کے علاوہ گذشتہ کتابیں اور مختلف صحائف بھی اسی ماہِ مبارک میں نازل ہوئے۔ چنانچہ حضرت ابوذرؓ فرماتے ہیں کہ حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ رمضان کی تیسری رات گزرنے پر صحف ابراہیمؑ نازل ہوئے، چھ راتیں گزرنے پر تورات موسیٰؑ پر نازل ہوئی۔ رمضان کی اٹھارویں رات حضرت داؤدؑ پر زبور اتاری گئی۔ حضرت عیسیٰؑ پر رمضان المبارک کی تیرہویں رات انجیل مقدس اتاری گئی اور حضور سرورِ کائنات ﷺ پر رمضان المبارک کی چوبیسویں رات قرآن پاک نازل فرمایا گیا۔ حضور نبی مکرم ﷺ کا فرمانِ مبارک ہے کہ ''اے لوگو! تم پر ایک بہت باعظمت مہینہ سایہ فگن ہوا ہے یہ وہ مہینہ ہے جس میں ایک رات ایسی ہے جو ہزار مہینوں سے افضل ہے''

رمضان المبارک کے تین عشرے ہیں۔ عشر کا مطلب دس ہے۔ فرمایا گیا کہ پہلا عشرہ رحمت ہے۔ دوسرا مغفرت ہے۔ تیسرا دوزخ سے رہائی ہے۔ لیلۃ القدر کو اس آخری عشرے میں مخفی کر دیا گیا ہے۔ لہٰذا آخری عشرے میں خوب راتوں کو جاگ کر لیلۃ القدر کو تلاش کریں تا کہ ہزار مہینوں کی عبادت کا ثواب پاسکیں۔ اس مقدس وبابرکت رات جبریل امینؑ اور ملائکہ کرام زمین پر اترتے ہیں بندوں کی دعائیں پہلے آسمان پر اللہ رب العزت کو پہنچاتے ہیں۔ نیک بندوں کو اللہ کا سلام کہتے ہیں۔ اس رات کی علامات میں جسم کے بالوں کا کھڑے ہو جانا، دل کا نرم وگداز ہونا، آنکھوں سے اشکوں کی روانی شامل ہے۔ کتے بھی اس رات کی عظمت اور فرشتوں کے نزول کے سبب نہیں بھونکتے۔ اللہ اپنے نیک بندوں پر اس رات اسرار منکشف کرتا ہے۔ رمضان المبارک میں نفلوں میں قرآن پاک سنایا جاتا ہے جسے نمازِ تراویح کہتے ہیں۔ نمازِ تراویح کا باقاعدہ آغاز حضرت عمرؓ کے زمانے میں ہوا۔ الحمدللہ! یہ سلسلہ بڑھا ہے گھٹا نہیں۔ تمام قرآن کا دور ہوتا ہے۔ اجتماعی دعائیں ہوتی ہیں۔ آیات قرآنی اور احکامات کو بہتر طور پر سمجھنے کا موقع ملتا ہے۔ باآواز بلند قرأت سنت ہے۔ مل کر اللہ کو یاد کرنے کا لطف ہی نرالا ہے۔ جو نماز تراویح پڑھتا ہے وہ ان سجدوں کی اہمیت ولطف خوب جانتا ہے۔ یوں تو رمضان المعظم سارے کا سارا ہی عظمت اور برکتوں والا ہے مگر اس کے آخری عشرے میں اہلِ ایمان کے لئے ''اعتکاف'' کو خصوصی رحمتیں لوٹنے کا ذریعہ بنایا گیا ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ سے مروی ہے وہ فرماتی ہیں کہ حضرت رسول کریم ﷺ رمضان کے آخری عشرے میں اعتکاف فرماتے تھے۔ اعتکاف کے لغوی معنی اپنے آپکو کسی مخصوص جگہ ومقام پر روک رکھنا کسی چیز کو چند دن دائمی طور پر اختیار کرنا۔ مرد حضرات مسجدوں میں اعتکاف کرتے ہیں جبکہ عورتیں گھروں میں ضروری نہیں کہ آخری عشرے کے دس دن اعتکاف میں بیٹھیں۔ جزوی طور پر ہر روز چند گھنٹوں کا اعتکاف اختیار کر سکتے ہیں۔ مگر اس کے لئے خاموش، یکسوئی، دنیاوی معاملات سے علیحدگی ضروری ہے۔

رمضان المبارک میں نزول قرآن، لیلۃ القدر وغیرہ کے علاوہ چند معتبر واقعات بھی رُونما ہوئے ہیں جن میں وفات اُم المؤمنین حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ، وفات حضرت فاطمۃ الزہراؓ، وفات حضرت رقیہ بنتِ رسول ﷺ، شہادت حضرت علی کرم اللہ وجہہ، وفات اُم المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ اور حضرت اُمِ سلمہؓ شامل ہیں۔

رمضان المبارک میں روزے، نماز تراویح کے علاوہ سے اللہ کا ذکر جس میں پاس انفاس اور نفی اثبات یعنی کلمہ طیبہ کا ذکر کثرت سے کرنا چاہیے، تلاوت قرآن پاک جتنی ہو سکے، تیسرا کلمہ اور درود شریف کثرت سے پڑھنا چاہیے اس کے علاوہ توفیق اور استطاعت کے مطابق غریبوں محتاجوں اور مسکینوں کی صدقہ وخیرات کی صورت میں مالی امداد کرنا بزرگانِ دین کے معمولات ہیں۔

محترمہ ام کلثوم خان

علم القرآن

حافظ مشتاق احمد

قسط نمبر 6

۴۹۔سورۃ الحجرات

☆ یہ سورت مدنی ہے۔ اس میں دو (۲) رکوع اور اٹھارہ (۱۸) ہیں۔ حجرات حُجرہ کی جمع ہے۔جس کے معنی ہیں کمرہ۔حضور اکرم ﷺ کا مکان مبارک چھوٹے چھوٹے کمروں پر مشتمل تھا۔جنہیں سورۃ میں حجرات کہا گیا ہے۔سورۃ مبارکہ کے شروع ہی میں مسلمانوں اور بالخصوص دیہاتی بدوؤں کو مخاطب کرکے اس بات سے آگاہ کیا جارہا ہے کہ اللہ اور اس کے رسول مکرم ﷺ سے آگے مت بڑھو اور آپ ﷺ کی آواز مبارک کے باہر کھڑے ہوکر اجڈ انداز سے مت پکارو کہیں ایسا نہ ہو کہ تمہارے سارے کے سارے اعملا ضائع ہوجائیں اور تمہیں خبر تک نہ ہو۔ ان کے بعد معاشرت کے انداز اور اخلاقی پہلوؤں سے ناواقف مسلمانوں اور نادان دیہاتی اعرابیوں کے آداب معاشرت اور حسنِ اخلاق کی تلقین فرمائی گئی ہے اور غیبت، چغل خوری، بے جا تمسخر کرنا، بدگمانی اور تجسس اعمال جیسے گناہ کبائر جسے ہر مسلمان نادانی اور ناسمجھی میں کرگزرتا ہے سخت منع فرمایا گیا ہے۔ذات پات کو صرف انسانی پہچان تک محدود کرکے بزرگی کا اصل معیار ''تقویٰ'' قرار دیا ہے آخر میں سمجھا دیا گیا ہے کہ ایمان زبانی کلامی دعووں کا نہیں بلکہ اس قلبی کیفیت کا نام ہے جو شک و شبہات سے بالاتر شکر گزاری، احسان مندی اور عبادت و بندگی کی صورت ایک مومن میں پائی جاتی ہے۔

۵۰۔سورۃ قٓ:

اس سورۃ مبارک کا آغاز حروِ مقطعات سے ہورہا ہے۔اور قرآن پاک کی قسم کھا کر ارشاد فرمایا جارہا ہے کہ نبی مکرم اللہ کے پیغمبر ﷺ ہیں۔کافر اور مشرک خواہ اس بات پر کتنا ہی متعجب کیوں نہ ہوں۔ یہ کافر تو مرنے کے بعد جی اٹھنے پر شک میں ہیں اور صرف عقل میں آنے والی بات کو مانتے ہیں جو بالکل محدود ہے جبکہ اللہ رب العزت کی ذات اور اسکی نشانیاں لامحدود! اگر ان کی نیت ایمان لانے کی ہوتو اس کے لئے رب قدیر کی یہ ایک ہی نشانی کافی ہے کہ وہ زمین کو مردہ اور بے جاں ہوجانے کے بعد آسمان سے پانی برسا کر کیسے زندہ اور سرسبز وشاداب کردیتا ہے۔مٹی میں صرف ایک بیج بونے پر کیسے اس میں سے کونپلیں پھر پھول اور پھر انہیں پھولوں میں سے مختلف قسم کے پھل پیدا فرماتا ہے۔اس کے بعد انسان کی تخلیق کی بات فرماتے ہوئے آگاہ کیا جارہا ہے کہ وہ ذات بابرکت تو بندے کے دل میں گزرنے والے خیالات سے بھی باخبر ہے۔قیامت والے دن صور پھونکا جائے گا تو ہر انسان دوبارہ زندہ ہوکر اٹھے گا اور اس دن ہر ذی روح کا حال کھل جائے گا اور نجات اس رحمن سے بن دیکھے ڈرنے اور ''قلب منیب'' لانے والوں کے لئے ہوگی۔اختتام اس اعلیٰ بات پر ہورہا ہے کہ آپ ﷺ خبر کرتے رہیے صبح وشام اور رات کے پچھلے پہروں میں اپنے رب کی تسبیح کیجئے۔آپ ﷺ ان پر سختی کرنے والے ہرگز نہیں ہیں ہاں خوف وخشیت رکھنے والے کو قرآن پاک سے پندونصائح کرتے رہیے۔

۵۱۔سورۃ الذّٰریٰت:

یہ سورۃ مبارکہ مکی ہے۔اس میں تین (۳) رکوع اور (۶۰) آیات ہیں۔الذّٰریٰت کے معنی وہ ہوائیں ہیں جو اڑ کر پھیلانے کا کام کرتی ہیں۔ آغاز اڑا کر بکھیر دینے والی ہواؤں کی قسم سے ہورہا ہے کہ قیامت کا دن حق ہے۔اس کے بعد رستوں والے آسمان کی قسم کھا کر بتایا جارہا ہے کہ کفار و مشرکین ایک متناقض بے جوڑ میں بلاوجہ اڑے ہوئے ہیں۔اور یوم آخرت کے بارے میں شک میں مبتلا ہیں۔ ان کے بعد ان تہجد گزار توبہ و استغفار اور مومنوں کا ذکر ہے۔جن کے لئے جنت میں ان کے پاک ومطہر ٹھکانے منتظر ہیں۔مزید حضرت ابراہیمؑ کے پاس آنیوالے ان فرشتوں کا تذکرہ ہے جو انسانی شکل آپؑ کو بیٹے کی بشارت دینے کے لئے آئے بعد ازاں وہ سیدھے حضرت لوطؑ کی قوم پر کنکر برسنے کا عذاب لیکر گئے۔اسی طرح حضرت موسیٰؑ، حضرت نوحؑ کی قوموں کی مختصر سا ذکر کرتے ہوئے سورۃ مبارکہ کا اختتام اس بات پر ہورہا ہے کہ یہ کافر لوگ ہر سچے پیغمبر کو جادوگر اور دیوانہ کہتے پھر رہے ہیں۔لگتا ہے ان کے بڑے وصیت کے طور پر ان سے یہی

کہتے ہیں! اللہ رب العزت نے تو انسان کو پیدا ہی اپنی عبادت و بندگی کے لئے کیا ہے۔ وہ بندوں سے رزق طلب فرماتا ہے نہ کھانے کو کچھ اور! بلکہ اللہ تو خود رزق دینے والا زور آور اور مضبوط ہے۔

۵۲۔ سورۃ الطور:

یہ سورۃ مبارکہ مکی ہے۔ اس میں دو (۲) رکوع اور ۴۹ آیات ہیں۔ طور کے معنی ہیں پہاڑ۔ یہ معنی سورۃ کی پہلی آیات سے ماخوذ ہیں۔ سورۃ مبارکہ کے شروع ہی میں قیامت کے عذاب کا ذکر ہے کہ قیامت کا دن بڑا سخت ہے اور جھٹلانے والوں کے لئے عذاب عظیم تیار کر رکھا ہے۔ جبکہ دوسری طرف اہلِ تقوٰی اپنے نیک اعمال کے صلے میں جنتین کی ابدی نعمتوں سے لطف اندوز ہو رہے ہونگے۔ اس کے بعد فرمایا گیا ہے کہ اہلِ جنت کی اولادیں بھی اگر ایمان پر اس دنیا سے رخصت ہوئیں تو انہیں بھی اپنے جنتی والدین کیساتھ ملا دیا جائے گا۔ یہی نہیں بلکہ متقی لوگ وہاں آپس میں باہم یہ گفتگو کریں گے کہ ہم دنیا میں اللہ سے ڈرتے رہے ہیں۔ تو اللہ رب العزت نے ہم پر احسان فرمایا اور لُو کے عذاب سے بچالیا بیشک وہ بڑا ہی مہربانی ہے۔ مزید مشرکین مکہ کا آپ ﷺ کو کاھن اور جادوگر کہنے اور اس پر آپ ﷺ کو تبلیغ دین جاری رکھنے کی تلقین کا بیان ہے۔ سورۃ مبارکہ اس اہم بات پر ختم ہو رہی ہے کہ کافر تو اپنے داؤں میں خود گھرنے والے ہیں۔ لہٰذا آپ ﷺ صبر کا دامن چھوڑے بغیر اپنے رب کریم کی تسبیح بیان کرتے رہیں کہ آپ ﷺ تو ویسے بھی ہماری نگاہوں کے سامنے ہیں۔

۵۳۔ سورۃ النجم:

یہ سورۃ مبارکہ مکی ہے۔ اس میں تین (۳) رکوع اور باسٹھ (۶۲) آیات ہیں۔ نجم کے معنی ہیں ستارہ۔ یہ نام سورۃ کی پہلی آیت سے ماخوذ ہے۔ ابتداء ستارے کی قسم سے ہو رہا ہے کہ حضور ﷺ اقدس جو تمہارے رفیق اور ساتھی ہیں وہ نہ بھولے ہیں اور نہ ہی بھٹکے ہوئے ہیں۔ آپ ﷺ تو وہی کچھ فرماتے ہیں جو رب کریم ان پر نازل فرماتا ہے۔ اس کے بعد واقعہ معراج کا تذکرہ ہے کہ جس میں اللہ تعالیٰ نے حضور نبی کریم ﷺ کو جسم سمیت عرش پر بلا کر اپنے قرب و دیدار کی نعمتوں سے سرفراز فرمایا اور سمجھا دیا کہ رب قدیر جو چاہے کرسکتا ہے وہ قوی ”عزیز“ اور کل شی قدیر ہے۔ یہی نہیں حضور سرور کائنات ﷺ کو واپسی پر امت مسلمہ کے لئے نماز کی صورت میں تحفہ عظیم بھی عطا فرمایا کہ اگر میرے بندے میرے ہاں معراج چاہتے ہیں تو مومن کی معراج نماز ہے۔ اگلے رکوع میں ہر انسان کو باور کرا دیا گیا ہے ہر وہ شے جس کی انسان خواہش کرتا ہے ضروری نہیں کہ وہ اسکو مل جائے بلکہ دنیا و آخرت تو اللہ کے ہاتھ میں ہے وہ جس کو چاہے جتنی عطا کردے۔ مزید یہ کہ آپ ﷺ ان بدنصیبوں سے رُخِ انور پھیر لیں جو صرف دنیا کی زندگی چاہتے ہیں اور اللہ کے ذکر سے مُنہ پھیرے ہوئے ہیں۔ حقیقتِ حال تو یہ ہے کہ آپ ﷺ تو پچھلے نبیوں کی طرح لوگوں کو تنبیہہ فرمانے والے پیغام حق صاف صاف پہنچا دینے والے ہیں۔ مگر تعجب ہے ان منکرین حق پر جو اسے سن کر ہنستے ہیں اور روتے نہیں۔ ❁

نعت رسول ﷺ

لوح بھی تو قلم بھی تو تیرا وجود الکتاب
گنبد آبگینہ رنگ تیرے محیط میں حباب

عالم آب و خاک میں تیرے ظہور سے فروغ
ذرۂ ریگ کو دیا تُو نے طلوعِ آفتاب

شوکتِ سنجر و سلیم تیرے جلال کی نمود
فقر جنید و بایزید تیرا جمال بے نقاب

شوق تیرا اگر نہ ہو میری نماز کا امام
میرا قیام بھی حجاب، میرا سجود بھی حجاب

تیری نگاہِ ناز سے دونوں مراد پاگئے
عقل غیاب و جستجو، عشق حضور و اضطراب

(علامہ اقبالؔ)

مومن کے لئے انعام

حضرت عبداللہ مسعودؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”کسی مرد مومن کو کوئی تکلیف پہنچتی ہے کسی مرض سے یا اس کے علاوہ تو اللہ تعالیٰ اس کے گناہوں کو اس طرح جھاڑ دیتا ہے جس طرح خزاں رسیدہ درخت اپنے پتے جھاڑتا ہے۔“

رمضان

تطہیر قلب اور ضبط نفس کا مہینہ

غلام رسول شاہد

تمام دنیا کے مسلمان اسلامی کیلنڈر کے نویں مہینے میں خاص انفرادی اور اجتماعی عبادت کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ رمضان المبارک میں روزے رکھنے کا مقصد مسلمانوں کو ایک ایسا موقع فراہم کرنا ہے جس میں وہ ایمان کی تجدید کر سکیں، خدا کی نعمتوں کا شکر ادا کر سکیں اور اپنے جسم اور روح کی تطہیر کر سکیں ایک روزہ دار اپنے آپ کو ہر ناپسندیدہ فعل سے باز رکھتا ہے تاکہ گزشتہ سال میں کیے گئے گناہوں سے پاک ہو سکے۔

623ء ہجرت کے دوسرے سال اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر روزہ فرض کیا۔ درحقیقت صرف اسلام ہی وہ واحد مذہب نہیں جو روزے کو فرض قرار دیتا ہے بلکہ یہودیت اور نصرانیت کو ماننے والے بھی وقتاً فوقتاً روزے رکھتے ہیں جیسا کہ روزہ کا حکم ان پر بھی صادر کیا گیا تھا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے "روزہ تم پر اسی طرح فرض کیا گیا ہے جس طرح تم سے پہلے لوگوں پر فرض کیا گیا تھا تاکہ تم پرہیزگار بن سکو۔" (سورۃ بقرہ۔183) اس آیت کریمہ سے تین حقائق ثابت ہوتے ہیں۔

اول یہ کہ روزہ مذہب کا لازمی جزو ہے دوم اسلام میں روزہ کا مقام اپنے مقاصد کے لحاظ سے دوسرے مذاہب سے فرق ہے سوم روزہ کے ذریعے مسلمان خدا تعالیٰ کا قرب و تقویٰ حاصل کرتے ہیں جو کہ صرف خدا تعالیٰ کے لیے وقف ہونے کا نام ہے۔ مگر اس سے یہ مراد ہرگز نہیں کہ اسلام میں روزہ رکھنے کا طریقہ اوقات اور دوسرے اہم جزیات پہلے مذاہب کے مطابق ہیں بلکہ اس سے مراد صرف یہ ہے کہ روزہ (ترک خواہشات) کے ذریعے ضبط نفس کا نام ہے جو مسلمانوں کے لیے نیا نہیں۔

تاہم روزہ مسلمان کے عقیدہ اور ایمان کی مضبوطی اور ناجائز خواہشات کو ترک کرنے کی تربیت کا بہترین ذریعہ ہے۔ روزہ اپنی خواہشات

> **روزہ مسلمان کے عقیدہ اور ایمان کی مضبوطی اور ناجائز خواہشات کو ترک کرنے کی تربیت کا بہترین ذریعہ ہے**

نفس اور اپنے جسم اور روح کو خدا کی رضا کے تابع کرنے کا مؤثر ذریعہ ہے۔ روزہ رضائے الٰہی کے حصول میں بھی مددگار ہے۔ کھانے پینے اور ہر قسم کے ناشائستہ قول و فعل سے باز رہنا روزے کا اصل مقصد ہے۔ روزے کے دوران کھانا پینا اور سگریٹ نوشی ایسے اعمال ہیں جو روزے کی اہمیت کو ختم کر دیتے ہیں۔ تمام غلط رویوں اور خیالات سے پرہیز کرنا ضروری ہے اسی طرح، الٹی آجانا، جسم کے کسی حصے سے خون بہنا یا جنسی خواہشات کو پورا کرنا بھی روزے کی اہمیت کو ختم کر دیتی ہیں

سحری کھانا

مسلمان روزہ رکھنے کے لیے سحری کھاتے ہیں جو طلوع فجر سے پہلے کھائی جاتی ہے لیکن سحری روزہ کے لیے شرط نہیں ہے بلکہ یہ روزہ کی سختی کو برداشت کرنے میں سہولت پیدا کرتی ہے جیسا کہ اللہ کے پیارے رسولؐ نے فرمایا کہ رمضان المبارک میں تلاوت قرآن پاک اللہ تعالیٰ سے خصوصی اجر عطا کرتی ہے اور روزہ دار کو یہ آگہی اور شعور عطا کرتی ہے کہ کس طرح خدا تعالیٰ کی عبادت کی جائے اور کس طرح اسکا قرب حاصل کیا جائے۔ یہ رمضان المبارک ہی کی ایک مبارک رات تھی جب یادِ الٰہی میں مگن و گم سرکار دو عالم حضرت محمد مصطفیٰؐ کے پاس، روح الامین حضرت جبرئیلؑ پہلی وحی لیکر غار حرا میں حاضر ہوئے۔ حضرت محمدؐ اور بعد میں آنے والے مسلمانوں نے اس رواج کو فروغ دیا کہ ماہ رمضان میں اس مقدس رات تک ایک دفعہ قرآن پاک کی تلاوت مکمل کی جاسکے۔ اسی طرح اس بات پر بھی خصوصی زور دیا گیا کہ اس مبارک مہینے میں زیادہ سے زیادہ صدقہ و خیرات کیا جائے کیونکہ یہی وہ مبارک مہینہ ہے جس میں ان لوگوں کو بھی رب تعالیٰ کی نعمتوں کا شریک بنایا جائے جو کسی وجہ سے ان سے محروم چلے آرہے ہیں۔

افطار: روزہ کھولنا

روزہ کھولنا یعنی افطاری سورج غروب ہوتے ہی کی جاتی ہے۔ روزہ سورج غروب ہوتے ہی افطار کرنا

سنت نبویؐ ہے۔ سہیل ابن سعد سے روایت ہے کہ نبی کریمؐ نے فرمایا کہ لوگوں کو نصیحت کی جاتی ہے کہ وہ سورج غروب ہوتے ہی روزہ افطار کرلیں۔

لیلۃ القدر

رمضان المبارک کے آخری ایام میں نہایت قدر و منزلت والی ایک رات لیلۃ القدر آتی ہے۔ یہ خصوصی اہمیت کی وہ رات ہے، جس میں قرآن پاک کو لوح محفوظ سے اتارا گیا۔ آخری عشرے کی طاق راتوں میں مسلمان خدا کے قرب و رضا کے لیے خصوصی عبادت کا اہتمام کرتے ہیں۔ نبی کریمؐ نے اس رات کا خصوصی تعین نہیں فرمایا بلکہ مسلمانوں کو حکم دیا کہ وہ لیلۃ القدر کو رمضان کے آخری دس دنوں کی طاق راتوں میں تلاش کریں۔ قرآن حکیم میں ارشاد ہے کہ یہ وہ رات ہے جب قرآن حکیم کو نازل کیا گیا اور یہ رات ہزار مہینوں سے بہتر ہے۔ ایک اور سورۃ میں ارشاد ہے لیلۃ القدر خصوصی انعام و اکرام کی رات ہے۔ نبی کریمؐ نے ارشاد فرمایا کہ ''جو کوئی اس رات کو اس ایمان کے ساتھ کھڑا رہا کہ خدا اسکے گناہ بخش دے تو اللہ رب العزت اس کے تمام پچھلے گناہ معاف فرما دیں گے۔ قرآن حکیم میں لیلۃ القدر کا بیان اس طرح آیا ہے۔ ''ہم نے قرآن کو قدر والی رات میں نازل کیا اور تم کیا جانو کہ شب قدر کیا ہے۔ شب قدر ہزار مہینوں سے بہتر ہے۔ اس رات میں فرشتے اور روح الامین خدا کے حکم سے ہر کام کے انتظام کے لیے اترتے ہیں۔ یہ رات طلوع صبح تک امن اور سلامتی ہے

عیدالفطر

رمضان المبارک ختم ہونے کے اگلے دن یکم شوال کو تمام دنیا کے مسلمان عیدالفطر کی اجتماعی نماز ادا کرتے ہیں۔ یہ ایک اسلامی تہوار ہے جو خدا تعالیٰ کی حمد و ثناء اور اسکی ان گنت رحمتوں کے شکرانے کے لیے تمام مسلمان اجتماعی طور پر مناتے ہیں یہ دن مسلمانوں کو ایک موقع فراہم کرتا ہے کہ وہ اپنے مستقبل کے بارے میں لائحہ عمل اختیار کریں اور گزشتہ اعمال کے بارے میں سوچیں۔

نبی کریمؐ نے ارشاد فرمایا کہ یہ تہوار ان مسلمانوں کے لیے خوشی کا تہوار ہے جنہوں نے روزہ کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی۔ خدا کی اطاعت بھی اسکی بندگی کا اظہار ہے۔ نبی کریمؐ عیدالفطر سے پچھلی رات عبادت میں گزارتے اور ارشاد فرماتے کہ اس رات کی

> **رمضان المبارک میں روزے رکھنے کا مقصد مسلمانوں کو ایک ایسا موقع فراہم کرنا ہے جس میں وہ ایمان کی تجدید کرسکیں، خدا کی نعمتوں کا شکر ادا کرسکیں اور اپنے جسم اور روح کی تطہیر کرسکیں**

عبادت نہ صرف گناہوں سے مغفرت کا باعث ہے بلکہ بیشمار نعمتوں کے حصول کا ذریعہ ہے۔ وہ جنہوں نے روزے رکھے اور جنہوں نے روزے نہیں رکھے ان سب پر فطرانہ ادا کرنا ضروری ہے تاکہ غریب مسلمانوں کے حقوق پورے کیے جاسکیں۔ فطرانہ کی مخصوص رقم یا اس کے برابر اناج غریبوں کو دینا ضروری ہے۔ اس طرح اہل ایمان کو ترغیب دی جاتی ہے کہ وہ خدا کی نعمتوں میں دوسرے غریب مسلمانوں کو بھی حصہ دار بنائیں۔

روایت ہے کہ فطرانہ کی ادائیگی کے بغیر روزہ تکمیل نہیں پاتا۔ تاہم عیدالفطر ایسا موقع نہیں کہ فضول خرچی اور مرغن غذاؤں پر بے دریغ پیسہ خرچ کیا جائے۔ اس کی بجائے مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ اس دن کو خدا کی یاد، اور اسکی رحمت اور مغفرت کی طلب کے لیے اسکی عبادت کریں۔ بہت سی روایات سے ثابت ہے کہ اس دن کو اللہ تعالیٰ اپنی رحمتوں کے سب دروازے اپنے اطاعت گزار بندوں کے لیے کھول دیتے ہیں۔ رمضان کے ایام میں چاہیے کہ اپنی جسمانی خواہشات کی تکمیل کو غالب نہ آنے دیا جائے کہ روزے کا اصل مقصد ہی بھول جائے۔ اگر روزہ افطار کرنے کے بعد روزہ دار اس نیت سے اگلا روزہ شروع ہونے تک مسلسل کھاتا رہے تو روزے کا اصل مقصد فوت ہوجاتا ہے۔

رمضان المبارک ایک ایسا موقع ہے جس کے دوران مسلمان اس عمل میں مشغول رہتے ہیں کہ وہ آنے والے وقت میں (اگلے سال میں) اپنے لیے کیا لائحہ عمل اختیار کریں گے۔ صرف رمضان المبارک کا مہینہ ہی وہ مہینہ نہیں ہے، جس میں اس بات پر زور دیا گیا ہے کہ کس طرح خدا تعالیٰ کا قرب حاصل کرنے کے لیے محنت کی جائے اور کس طرح اپنے نفس کو اللہ تعالیٰ کے حکم کے تابع کیا جائے۔ پورے ماہ کے روزے کے ذریعے اللہ تعالیٰ ہمیں یہ سکھانا چاہتے ہیں کہ ہم کس طرح پورے سال کے دوران زندگی کے باقی دائرہ کار میں بہترین مسلمان بن سکتے ہیں۔ ❁

معلمِ قرآن، بہ نگاہِ قرآن

ملک شیر محمد خان اعوان

☆ قرآن حکیم میں رسول اللہ ﷺ کے اوصافِ حمیدہ اور خصائص ستودہ کے بے انتہاء ذخائر موجود ہیں۔ اگر تمام خصائص کو مناسب تشریحات کے ساتھ بیان کیا جائے تو ایک ضخیم کتاب بھی ناکافی ہوگی۔ لہٰذا بخوفِ طوالت جمال سیرت النبی ﷺ کی چند جھلکیاں پیش کی جاتی ہیں:

علامہ جلال الدین سیوطی لکھتے ہیں کہ:

"یہ امر حضور ﷺ کے خصائص میں سے ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن میں حضور ﷺ کے نام لے کر نہیں پکارا بلکہ صفت کا ذکر کیا ہے لیکن باقی انبیاءؑ کو اللہ تعالیٰ نام لے کر پکارا ہے۔"

حضور ﷺ سے خطابِ خداوندی

اللہ تعالیٰ کے خطاب کی یہ خصوصیت رسول اکرم ﷺ کے سوا کسی کو نصیب نہیں۔

❁ اے رسول! جو کچھ آپ کے رب کی جانب سے آپ پر نازل کیا گیا ہے آپ سب پہنچا دیجئے۔" (پارہ ۶ رکوع ۱۴)

❁ اے نبی ﷺ! ہم نے بیشک آپ کو اس شان کا رسول بنا کر بھیجا ہے کہ آپ گواہ ہوں گے اور آپ (مومنین کے) بشارت دینے والے ہیں اور (کفار کے) ڈرانے والے ہیں" (پارہ ۲۲ رکوع ۳)

❁ قسم ہے قرآن باحکمت کی کہ بیشک آپ منجملہ پیغمبروں کے ہیں۔" (پارہ ۲۲ رکوع ۱۸)

❁ اے کپڑوں میں لپٹنے والے رات کو (نماز میں) کھڑے رہا کرو مگر تھوڑی سی رات۔" (پارہ ۲۹، رکوع ۱۳)

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں جہاں رسول اللہ ﷺ کے اسم گرامی کی تصریح فرمائی وہاں ساتھ ہی رسالت یا کسی اور وصف کا ذکر فرمایا:

❁ "اور محمد ﷺ نرے رسول ہی ہیں آپ سے پہلے اور بھی رسول گزر چکے ہیں۔"

❁ "محمد ﷺ تمہارے مردوں سے کسی کے باپ نہیں ہیں لیکن اللہ کے رسول ہیں اور سب نبیوں کے ختم پر ہیں اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کو خوب جانتا ہے۔" (پارہ ۲۲، رکوع ۲)

❁ "اور جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے اچھے کام کیے اور وہ اس سب پر ایمان لائے جو محمد ﷺ پر نازل کیا گیا ہے۔" (پارہ ۲۶، رکوع ۵)

حضور ﷺ کا ادب رکنِ ایمان ہے

❁ "ہم نے تمہیں گواہی دینے والا اور بشارت دینے والا اور ڈرانے والا کر کے بھیجا ہے تاکہ تم لوگ اللہ پر اور اس کے رسول ﷺ پر ایمان لاؤ اور اس (کے دین) کی مدد کرو اور اس کی تعظیم کرو۔" (پارہ ۲۶، رکوع ۹)

❁ "اپنی آوازیں پیغمبر کی آواز سے مت بلند کیا کرو اور نہ ان سے ایسے کھل کر بولا کرو جیسے تم آپس میں ایک دوسرے سے کھل کر بولا کرتے ہو کبھی تمہارے اعمال برباد ہو جائیں اور تم کو خبر بھی نہ ہو۔" (پارہ ۲۶، رکوع ۱۳)

❁ "اے ایمان والو! نبی کے گھروں میں (بے بلائے) مت جایا کرو مگر جس وقت تم کو کھانے کے لیے اجازت دی جاوے ایسے طور پر کہ اس کی تیاری کے منتظر نہ ہو۔" (پارہ ۲۲، رکوع ۴)

❁ "اے ایمان والو! اللہ اور رسول (کی اجازت) سے پہلے تم سبقت مت کیا کرو اور اللہ سے ڈرتے رہو۔" (پارہ ۲۲، رکوع ۱۳)

❁ "جو لوگ حجروں کے باہر سے آپ کو پکارتے ہیں ان میں اکثر کو عقل نہیں ہے۔" (پارہ ۲۲، رکوع ۱۳)

❁ "تم لوگ رسول ﷺ کے بلانے کو ایسا (معمولی بلانا) مت سمجھو جیسا تم میں ایک دوسرے کو بلا لیتا ہے۔" (پارہ ۱۸، رکوع ۱۵)

❁ "تو وہ جو اُن پر ایمان لائیں اور اس کی تعظیم کریں اور اسے مدد دیں۔" (پارہ ۹، رکوع ۹)

❁ "اے ایمان والو! تم اللہ اور رسول ﷺ کے کہنے کو بجالایا کرو جب کہ رسول تم کو تمہاری زندگی بخش چیز کی طرف بلاتے ہوں۔" (پارہ ۹ رکوع ۱۷)

حضور ﷺ کی گستاخی کفر ہے

❁ "اے ایمان والو! تم لفظ "راعنا" مت کہا کرو اور "اُنظرنا" کہہ دیا کرو اور (اس حکم کو اچھی طرح) سُن لو اور ان کافروں کو (تو) سزائے دردناک ہوگی۔" (پارہ ۱، رکوع ۱۴)

❁ "بے شک جو لوگ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کو ایذا دیتے ہیں اللہ تعالیٰ ان پر دنیا اور آخرت میں لعنت کرتا ہے اور ان کے لیے ذلیل کرنے والا عذاب تیار کر رکھا ہے۔" (پارہ ۲۲ رکوع ۴)

"تم اب (یہ بیہودہ) عذر مت کرو تم تو اپنے کو مومن کہہ کر کفر کرنے لگے۔ اگر ہم تم میں سے بعض کو چھوڑ بھی دیں تاہم بعض کو تو (ضرور ہی) سزا دیں گے بہ سبب اس کے کہ وہ مجرم ہیں۔" (پارہ ۱۰ رکوع ۱۴)

"اور جو شخص رسول کی مخالفت کرے گا بعد اس کے کہ اس کو امر حق ظاہر ہو چکا تھا اور مسلمانوں کا رستہ چھوڑ کر دوسرے رستہ ہو لیا تو ہم اس کو جو کچھ وہ کرتا ہے کرنے دیں گے اور اس کو جہنم داخل کریں گے اور وہ بُری جگہ ہے جانے کی۔" (پارہ ۵، رکوع ۱۴)

"اور جو اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کرتا ہے سو اللہ تعالیٰ (اس کو) سخت سزا دیتے ہیں سو یہ سزا چکھو اور جان رکھو کہ کافروں کے لیے جہنم کا عذاب مقرر ہی ہے۔" (پارہ ۹، رکوع ۱۶)

"لوگ اللہ اور رسول کی مخالفت کرتے ہیں وہ (دنیا میں بھی) ایسے ذلیل ہوں گے جیسے ان سے پہلے لوگ ذلیل ہوئے اور ہم نے کھلے کھلے احکام نازل کیے ہیں اور کافروں کو ذلت کا عذاب ہوگا جس روز ان سب کو اللہ تعالیٰ دوبارہ زندہ کرے گا (کیونکہ) اللہ تعالیٰ نے وہ محفوظ کر رکھا ہے اور یہ لوگ اس کو بھول گئے اور اللہ ہر چیز پر مطلع ہے" (پارہ ۲۸، رکوع ۱)

"یہ اس سبب ہے کہ ان لوگوں نے اللہ کی اور اس کے رسول ﷺ کی مخالفت کی ہے اور جو شخص اللہ کی مخالفت کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو سخت سزا دینے والا ہے۔" (پارہ ۲۸، رکوع ۴)

حضور ﷺ تمام دنیا کے لیے نبی ہیں

"اور ہم نے تو آپ ﷺ کو تمام لوگوں کے واسطے پیغمبر بنا کر بھیجا ہے (ایمان لانے پر ان کو ہماری رضا و ثواب) خوشخبری سنانے والے اور ایمان نہ لانے پر ان کو ہمارے غضب و عذاب) ڈرانے والے لیکن اکثر لوگ نہیں سمجھتے۔" (پارہ ۲۲، رکوع ۹)

"اور ہم نے (ایسے مضامین نافعہ دے کر) آپ کو اور کسی بات کے واسطے نہیں بھیجا مگر دنیا جہاں کے لوگوں (یعنی مکلفین پر) مہربانی کرنے کے لیے۔" (پارہ ۱۷، رکوع ۷)

"آپ کہہ دیجئے کہ اے (دنیا جہان کے) لوگوں میں تم سب کی طرف اس اللہ کا بھیجا ہوا (پیغمبر) ہوں۔" (پارہ ۹، رکوع ۱۰)

"بے شک ہم نے آپ کو کوثر (ایک حوض کا نام ہے اور ہر خیر کثیر بھی اس میں داخل ہے عطا فرمائی ہے۔" (پارہ ۳۰ رکوع ۳۳)

"اور ہم نے آپ کو تمام لوگوں کی طرف پیغمبر بنا کر بھیجا ہے اور اللہ تعالیٰ گواہ کافی ہیں۔" (پارہ ۵، رکوع ۸)

حضور ﷺ آخری نبی ہیں

"محمد ﷺ تمہارے مردوں سے کسی کے باپ نہیں ہیں لیکن اللہ کے رسول ہیں اور سب نبیوں کے ختم پر ہیں۔" (پارہ ۲۲، رکوع ۲)

"آج کے دن تمہارے لیے تمہارے دین کو میں نے کامل کر دیا اور میں نے تم پر اپنا انعام تام کر دیا اور میں نے اسلام تمہارا دین بننے کے لیے پسند کر لیا۔" (پارہ ۶، رکوع)

"اور جب ان کو ایک ایسی کتاب پہنچی (یعنی قرآن) جو منجانب اللہ ہے (اور) اس کی (بھی) تصدیق کرنے والی ہے۔" (پارہ ۱ رکوع ۱۱)

"اور آپ پر اپنے احسانات کی تکمیل کر دے اور آپ کو سیدھے رستہ پر لے چلے۔" (پارہ ۲۶، رکوع ۹)

حضور ﷺ معلم کتاب و حکمت ہیں

"اے ہمارے پروردگار اور اس جماعت کے اندر اُن ہی میں کا ایک ایسا پیغمبر بھی مقرر کیجئے جو ان لوگوں کو آپ کی آیتیں پڑھ پڑھ کر سنایا کریں اور ان کو (آسمانی) کتاب کی اور حکمت کی تعلیم دیا کریں اور ان کو پاک کر دیں بلاشبہ آپ ہی ہیں غالب القدرت کامل الانتظام۔" (پارہ ۱، رکوع ۱۵)

"حقیقت میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر احسان کیا جبکہ ان میں ان ہی کی جنس سے ایک ایسے پیغمبر کو بھیجا کہ وہ ان لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی آیتیں پڑھ پڑھ کر سناتے ہیں اور ان لوگوں کی صفائی کرتے رہتے ہیں اور ان کو کتاب اور حکمت کی باتیں بتلاتے رہتے ہیں اور بالیقین یہ لوگ قبل سے صریح غلطی میں تھے۔" (پارہ ۴، رکوع ۸)

"وہی ہے جس نے (عرب کے) ناخواندہ لوگوں میں ان ہی (کی قوم) میں سے (یعنی عرب میں سے) ایک پیغمبر بھیجا جو ان کو اللہ کی آیتیں پڑھ پڑھ کر سناتے ہیں اور ان کو پاک کرتے ہیں اور ان کو کتاب اور حکمت (دانشمندی کی باتیں) سکھلاتے ہیں اور یہ لوگ (آپ ﷺ کی بعثت کے) پہلے سے کھلی گمراہی میں تھے۔" (پارہ ۲۸، رکوع ۱۱)

حضور ﷺ امت کے تمام معاملات اور فیصلوں میں قاضی ہیں

"بے شک ہم نے آپ ﷺ کے پاس یہ

نوشتہ بھیجا ہے واقع کے موافق تا کہ آپ ﷺ ان لوگوں کے درمیان اس کے موافق فیصلہ کریں جو کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو بتلا دیا ہے۔'' (پارہ ۵، رکوع ۱۳)

● ''اور آپ کہہ دیجئے کہ اللہ نے جتنی کتابیں نازل فرمائی ہیں میں سب پر ایمان لاتا ہوں اور مجھ کو یہ (بھی) حکم ہوا ہے کہ (اپنے اور) تمہارے درمیان میں عدل رکھوں۔'' (پارہ ۲۵، رکوع ۳)

● ''مسلمانوں کا قول تو جب کہ ان کو (کسی مقدمہ میں) اللہ کی اور اس کے رسول کی طرف بلایا جاتا ہے تا کہ وہ رسول ان کے درمیان میں فیصلہ کردیں یہ ہے کہ وہ (خوشی خوشی) کہہ دیتے ہیں کہ ہم نے سُن لیا اور (اس کو) مان لیا۔'' (پارہ ۱۸، ۱۳)

● ''اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ آؤ اس حکم کی طرف جو اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا ہے اور رسول کی طرف تو آپ منافقین کی یہ حالت دیکھیں گے کہ آپ سے پہلو تہی کرتے ہیں۔'' (پارہ ۵، رکوع ۶)

● ''اور کسی ایماندار مرد اور کسی ایماندار عورت کو گنجائش نہیں جو کہ اللہ اور اس کا رسول کسی کام کا حکم دے دیں کہ (پھر) ان کو ان (مومنین) کے اس کام میں کوئی اختیار (باقی) رہے۔'' (پارہ ۲۲، رکوع ۲)

● ''پھر قسم ہے آپ کے رب کی کہ یہ لوگ ایماندار ہوں گے جب تک یہ بات نہ ہو کہ ان کے آپس میں جو جھگڑا واقع ہو اس میں یہ لوگ آپ سے تصفیہ کرا دیں پھر اس سے آپ کے تصفیہ سے اپنے دلوں میں تنگی نہ پاویں اور پورے طور پر تسلیم کر لیں۔'' (پارہ ۵ رکوع ۶)

حضور ﷺ بحیثیت حاکم و فرمانروا

● ''جس شخص نے رسول کی اطاعت کی اس نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی۔'' (پارہ ۵، رکوع ۸)

● ''اے ایمان والو! تم اللہ کا کہنا مانو اور رسول کا کہنا مانو اور تم میں جو لوگ صاحب امر ہیں ان کا بھی پھر اگر کسی امر میں تم اختلاف کرنے لگو تو اس امر کو اللہ اور رسول کے حوالہ کر دیا کرو اگر تم اللہ پر اور یومِ قیامت پر ایمان رکھتے ہو۔'' (پارہ ۵، رکوع ۵)

● ''اے ایمان والو! اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو اور (کفار کی طرح اللہ اور رسول کی مخالفت کر کے) اپنے اعمال کو برباد مت کرو۔'' (پارہ ۲۶، رکوع ۸)

● ''جو لوگ آپ سے بیعت کر رہے ہیں تو وہ (واقع میں) اللہ تعالیٰ سے بیعت کر رہے ہیں خدا کا ہاتھ ان کے ہاتھوں پر ہے۔'' (پارہ ۲۶ رکوع ۹)

حضور ﷺ کی محبت و اتباع سب پر فرض ہے

● ''سو اللہ پر ایمان لاؤ اور اس کے نبی اُمّی پر جو کہ (خود) اللہ پر اور اسکے احکام پر ایمان رکھتے ہیں اور ان کا اتباع کرو۔'' (پارہ ۹ رکوع ۱۰)

● ''آپ فرما دیجئے کہ اگر تم اللہ تعالیٰ سے محبت رکھتے ہو تو تم لوگ میرا اتباع کرو، اللہ تعالیٰ تم سے محبت کرنے لگے گا اور تمہارے سب گناہوں کو معاف کر دے گا اور اللہ تعالیٰ بڑا معاف کرنے والا بڑی عنایت فرمانے والا ہے۔'' (پارہ ۳ رکوع ۱۲)

● ''اے ایمان والو تم اللہ کا کہنا مانو اور رسول کا کہنا مانو۔'' (پارہ ۵ رکوع ۵)

● ''اور ان (نبی ﷺ) کا اتباع کرو تا کہ تم راہِ راست پر آجاؤ۔'' (پارہ ۹ رکوع ۱۰)

● ''جو لوگ اس نبی (موصوف) پر ایمان لاتے ہیں اس کی مدد کرتے ہیں اور اس نور کا اتباع کرتے ہیں جو ان کے ساتھ بھیجا گیا ہے ایسے لوگ پوری فلاح پانے والے ہیں۔'' (پارہ ۹ رکوع ۹)

● ''اور اگر تم نے ان کی اطاعت کر لی تو راہ پر جا لگو گے۔'' (پارہ ۱۸، رکوع ۱۳)

● ''اور رسول تم کو جو کچھ دے دیا کریں وہ لے لیا کرو اور جس چیز (کے لے لینے) سے تم کو روک دیں تم رک جایا کرو۔'' (پارہ ۲۸ رکوع ۴)

حضور ﷺ کو بشیر و نذیر بنا کر بھیجا گیا

● ''کیا ان (مکہ کے) لوگوں کو اس بات سے تعجب ہوا کہ ہم نے ان میں سے ایک شخص کے پاس وحی بھیج دی کہ سب آدمیوں کو (احکام خداوندی کے خلاف کرنے سے) ڈرایئے اور جو ایمان لے آئے ان کو یہ خوشخبری سنایئے کہ ان کے رب کے پاس (پہنچ کر) ان کو پورا مرتبہ ملے گا۔ (پارہ ۱۱ رکوع ۶)

● ''بے شک میں تمہارے لیے اس کی طرف سے ڈر اور خوشی سنانے والا ہوں۔'' (پارہ ۱۱ رکوع ۱۷)

● ''اور ہم نے تمہیں نہ بھیجا مگر خوشی اور ڈر سنانا۔'' (پارہ ۱۹ رکوع ۳)

حضور ﷺ کی ذات قدسی صفات میں ہر مومن کے لیے اُسوۂ حسنہ ہے

● ''تم لوگوں کے لیے یعنی ایسے شخص کے لیے جو اللہ سے اور روزِ آخرت سے ڈرتا ہو اور کثرت سے ذکرِ الٰہی کرتا ہو رسول اللہ کا ایک عمدہ نمونہ موجود

تھا۔" (پارہ۲۱رکوع۱۹)

دُعائے خلیلؑ و نوید مسیحاؑ

● "اے ہمارے پروردگار اور اس جماعت کے اندر ان ہی میں کا ایک ایسا پیغمبر بھی مقرر کیجئے جو ان لوگوں کو آپ کی آیتیں پڑھ کر سنایا کریں اور ان کو (آسمانی) کتاب کی اور حکمت کی تعلیم دیا کریں۔ (پارہ ارکوع ۱۵)

● "اور میرے بعد جو ایک رسول ﷺ آنے والے ہیں جن کا نام (مبارک) احمد ہوگا میں ان کی بشارت دینے والا ہوں۔" (پارہ ۲۸ رکوع ۹)

حضور ﷺ کی نبوت کا ثبوت و استدلال

● "کیا یہ لوگ یہ کہتے ہیں کہ اس شخص نے اس کو اپنی طرف سے بنالیا ہے آپ ﷺ کہہ دیجئے کہ اگر میں نے اس کو اپنی طرف سے سنایا ہوگا تو پھر تم لوگ مجھ کو خدا سے ذرا بھی نہیں بچا سکتے وہ خوب جانتا ہے تم قرآن میں جو جو باتیں بنا رہے ہو۔ میرے اور تمہارے درمیان میں کافی گواہ ہے۔ (پارہ ۲٦ رکوع ۱)

حضور ﷺ پر کتاب اور حکمت نازل کی گئی

● "اور اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ پر کتاب اور حکمت کی باتیں نازل فرمائیں۔" (پارہ ۲۹ رکوع ۳)

حضور ﷺ کے اعلیٰ اخلاق کی تعریف

● "اور بے شک آپ ﷺ کے لیے ایسا اجر ہے جو (کبھی) ختم ہونے والا نہیں اور بے شک آپ ﷺ اخلاق (حسنہ) کے اعلیٰ پیمانے پر ہیں۔" (پارہ ۲۹ رکوع ۳)

اللہ نے حضور ﷺ کا ذکر بلند کر دیا

● "اور ہم نے آپ ﷺ کا ذکر بلند کیا۔" (پارہ ۳۰ رکوع ۱۹)

حضور ﷺ پر دُرود بھیجنے کا حکم

● "بے شک اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے رحمت بھیجتے ہیں پیغمبر پر۔ اے ایمان والو تم بھی آپ ﷺ پر دُرود بھیجا کرو اور خوب سلام بھیجا کرو۔" (پارہ ۲۲ رکوع ۴)

حضور ﷺ خدا کی حفاظت میں

● "اور اے محبوب ﷺ! تم اپنے رب کے حکم پر ٹھہرے رہو کہ بے شک تم ہماری نگہداشت میں ہو۔" (پارہ ۲۷ رکوع ۴)

● "یقیناً میرا مدد گار اللہ تعالیٰ ہے" (پارہ ۹ رکوع ۱۴)

● "اور اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کو لوگوں سے محفوظ رکھے گا۔" (پارہ ٦ رکوع ۱۴)

● "آپ کہہ دیجئے کہ میرے لیے خدا کافی ہے۔" (پارہ ۲۴ رکوع ۱)

● "کیا اللہ تعالیٰ اپنے بندہ (محمد ﷺ کی حفاظت) کے لیے کافی نہیں۔" (پارہ ۲۴ رکوع ۱)

● "یہ لوگ جو ہنستے ہیں ان سے آپ ﷺ کے لیے ہم کافی ہیں۔" (پارہ ۱۴ رکوع ٦)

حضور کی ازواجؓ مسلمانوں کی مائیں ہیں

● "اور آپ ﷺ کی بیبیاں ان کی مائیں ہیں۔" (پارہ ۲۱ رکوع ۱۷)

● "اور تم کو جائز نہیں کہ رسول اللہ ﷺ کو خفت پہنچاؤ اور نہ یہ جائز ہے کہ تم آپ ﷺ کے بعد آپ ﷺ کی بیبیوں سے کبھی بھی نکاح کرو۔" (پارہ ۲۲ رکوع ۴)

حضور ﷺ نے فتح مکہ کی پیشین گوئی کی

● "بے شک اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو سچا خواب دکھلایا جو مطابق واقع کے ہے کہ تم لوگ مسجد حرام (یعنی مکہ) میں ان شاء اللہ ضرور جاؤ گے۔ امن و امان کے ساتھ۔" (پارہ ۲٦ رکوع ۱۲)

حضور ﷺ کو سبع مثانی عطا ہونے کا انعام

● "اور ہم نے آپ ﷺ کو سات آیتیں دیں جو (نماز میں) مکرر پڑھی جاتی ہیں اور قرآن عظیم دیا۔" (پارہ ۱۴ رکوع ٦)

حضور ﷺ کے مزاج اور نرم دلی کی تعریف

● "بعد اس کے اللہ ہی کی رحمت کے سبب آپ ﷺ ان کے ساتھ نرم رہے اور اگر آپ ﷺ تند خوسخت طبیعت ہوتے تو یہ آپ ﷺ کے پاس سے سب منتشر ہو جاتے۔" (پارہ ۴، رکوع ۸)

قرآن کریم سے کہاں تک آیات نقل کی جائیں جبکہ پورا قرآن، سیرت النبی ﷺ کا بیان ہے جیسا کہ حضرت عائشہ صدیقہؓ نے حضور ﷺ کا اخلاق دریافت کرنے والے سے فرمایا تھا کہ "پوری سیرت پاک قرآن کا بیان ہے۔" قرآن حیات رسول ﷺ کا مبیّن ہے اور حیات رسول ﷺ قرآن کی مبیّن۔ کتاب اللہ سیرت النبی ﷺ کی تفسیر ہے اور سیرۃ النبی ﷺ کتاب اللہ کی تفسیر۔ ❀

قوت برداشت

خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ

سلسلہ عالیہ توحیدیہ کے بانی حضرت خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ صاحب نے تصوف کے علاوہ تعمیر ملت اور اصلاح معاشرہ جیسے موضوعات پر نہ صرف تحقیقی کتب تحریر فرمائیں بلکہ انسانی فلاح و بہبود اور ملتِ اسلامیہ کی تعمیر نو کی غرض سے ایک بہت بڑے سلسلہ تصوف (سلسلہ عالیہ توحیدیہ) کی بنیاد بھی رکھی۔ آپؒ عظیم مفکر اور ولی کامل تھے۔ آپؒ کے خطبات سالکین حق کے لیے ایک بے نظیر تحفہ اور تصوف کے موضوع پر ایک حکم کا درجہ رکھتے ہیں۔ (ادارہ)

بہت سی الجھنیں اور پریشانیاں ہیں جو کسی وقت بھی انسان کا پیچھا نہیں چھوڑتیں۔ مثلاً بیماریاں، مقدمات، میاں بیوی کی ناچاقی، ہمسائیوں کی بے جا زیادتیاں، دفتروں میں افسروں کی ناراضی، ملازمت جانے یا ترقی رک جانے کا خوف کاروبار میں نقصان۔ الغرض ایک بات ہو تو بیان کیا جائے۔ یہاں تو جس طرف دیکھو خطرات اور پریشانیاں ہی پریشانیاں ہیں اور کیوں نہ ہوں جب کہ پیدا کرنے والے نے خود ہی کہہ دیا ہے لقد خلقنا الانسان فی کبد (ہم نے انسان کو پیدا ہی پریشانیوں کے بیچ میں کیا ہے) اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب حالت یہ ہے کہ تو انسان کس طرح اطمینان و سکون کی زندگی بسر کر سکتا ہے اور اس کو حقیقی خوشی اور دائمی مسرت کس طرح میسر آسکتی ہے جواب یہ ہے کہ صرف پکا اور سچا توحیدی بن کر۔۔۔ وہ کس طرح؟۔۔۔ وہ اس طرح کہ کوئی شخص صرف زبان سے یہ کہہ دینے سے کہ میں صرف ایک خدا کو مانتا ہوں توحیدی نہیں بنتا بلکہ خدا نے قرآن پاک میں جو کچھ احکام و ہدایات دی ہیں ان پر دل سے یقین اور صداقت سے عمل کرنے سے توحیدی بنتا ہے۔ تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ جب تم پر کوئی مصیبت پڑے تو حکم ہے کہ صبر اور صلوۃ کے ذریعے خدا سے مدد مانگو۔ افسوس یہ کہ آج عام مسلمان صبر کے صحیح معنی بھی نہیں جانتے صبر کے معنی ہم یہ سمجھتے ہیں کہ جب، کوئی مصیبت پڑے تو اس کو دور کرنے کے لئے عملاً کچھ نہ کرو اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کر کے خاموش گھر میں بیٹھ جاؤ اور انتظار کرتے رہو کہ اللہ تبارک تعالیٰ کسی نہ کسی دن اس مصیبت کو خود ہی دور کر دے گا چنانچہ زبان سے ایسے ایسے محاورے بھی نکل جاتے ہیں کہ "ہم تو صبر کئے بیٹھے ہیں" "میرا صبر پڑے تیری جان پر" "مجبوری کا نام صبر ہے" وغیرہ وغیرہ صبر کے ہرگز یہ معنی نہیں ہیں بلکہ صبر کے معنی ہیں "برداشت کرنا" اور خوشی سے برداشت کرنا" میں بھی پہلے صبر کے وہی معنی سمجھتا تھا جو اوپر بیان ہوئے ہیں لیکن ایک دن فتوح الشام میں جنگ یرموک کی ایک لڑائی کا ذکر پڑھتے ہوئے یہ الفاظ نظر سے گزرے۔ "جب رات کا اندھیرا بہت گہرا ہو گیا تو لڑائی بند ہو گئی اور صحابہؓ کبار اپنے اپنے خیموں میں واپس آئے تو ان میں دو صحابہ (جن کا نام مجھے اس وقت یاد نہیں) جب اپنے خیمے میں پہنچے تو اپنی زرہ بکتر وغیرہ اتارتے ہوئے ایک صحابیؓ نے دوسرے سے کہا الحمد اللہ کہ آج اللہ تبارک وتعالیٰ نے بڑا صبر عطا کیا۔ "صبح کی نماز کے بعد جب لڑائی شروع ہوئی اس وقت سے اب تک میں دونوں ہاتھوں میں تلوار لے کر برابر لڑتا رہا ہوں نہ کچھ کھایا نہ پیا۔ نمازیں بھی قضا ہو گئیں۔ لیکن میں نے ذرا تکان محسوس نہیں کی۔ دو ایک مرتبہ کچھ سستی سی غالب ہوئی تو اللہ تعالیٰ نے نئے سرے سے دل میں وہ طاقت پیدا کی کہ نئے ولولہ اور جوش سے پھر لڑنے لگا اور سینکڑوں کافروں کو جہنم پہنچایا۔" یہ الفاظ پڑھ کر میرے ذہن میں صبر کے معنی اس طرح کھلے جیسے کہ کوئی چیز آنکھوں سے نظر آتی ہے۔ اس وقت میں سمجھا کہ صبر کے معنی تو برداشت کرنے کے ہیں اور وہ بھی خوشی سے برداشت کرنے کے ہیں۔ یعنی جب تم کو کوئی مشکل پیش آئے یا کوئی مصیبت آپڑے تو اس کو

آنے والی مصیبتوں کو اگر کوئی ٹال سکتا ہے تو صرف اللہ تعالیٰ ہی ٹال سکتا ہے

دفع کرنے کے لئے بھرپور کوشش کرو اور وہ بھی اس طرح کہ سستی، تکان، یا مایوسی کا خیال تک تمہارے دل میں نہ آنے پائے اب آپ خود غور کریں کہ جب کوئی آدمی اس شان سے کوشش کرے گا تو اول تو وہ یقیناً کامیاب ہو گا اور اگر نہ بھی ہو تو کوشش کے دوران مصیبت کا خیال اس کے دل و دماغ کو ہرگز اس طرح متاثر نہ کرے گا جیسا کہ خاموش بیٹھے رہنے میں کرتا ہے۔

الغرض کہیں بھی اور کسی بھی حال میں ہو سوائے خدا کے نہ کسی سے ڈرو نہ کسی سے مدد چاہو اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ بندہ خدا کے بنائے اور بتائے ہوئے وسائل سے کام لینا ترک کر دیتا ہے بلکہ ہر مصیبت کا مقابلہ کرنے کے لئے بھرپور کوشش کرنے کے بعد بھی اگر ناکامیاب ہو جاتا ہے تب بھی ہمت نہیں ہارتا اور مایوس نہیں ہوتا بلکہ خوش ہی رہتا ہے۔ ایسی حالت میں وہ اس آیت کی طرف رجوع کرتا ہے جس میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ایک چیز کو تم اپنے لئے پسند کرتے ہو۔ لیکن اللہ اس کو تمہارے لئے پسند نہیں کرتا (اس لئے نہیں دیتا) یہ آیت اس کو بے انتہا سکون اور طاقت قلبی عطا فرماتی ہے۔ اس کو یقین ہو جاتا ہے کہ اگر میری کوشش کامیاب ہو جاتی تو انجام کار وہ میرے لئے مفید ہونے کے بجائے انتہائی تکلیف دہ اور ممکن ہے کہ تباہ کن ثابت ہوتی۔ ایسے تین چار واقعات خود مجھ کو اپنی زندگی میں پیش آئے ہیں اور یہ میرا ذاتی تجربہ ہے۔ آپ کو میرے تجربات سے فائدہ اٹھانا چاہیے۔ میں وہ واقعات یہاں محض طوالت کے خوف سے تحریر نہیں کر رہا لیکن عام مجلسوں میں اکثر آپ لوگوں کو سناتا رہتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ تم پر جو مصیبت آنے والی ہے وہ ہم نے پہلے ہی سے

جب تک قوت برداشت بدرجہ کمال حاصل نہ ہو جائے راہ سلوک میں دو قدم آگے بڑھنا بھی ناممکن ہو جاتا ہے

تمہارے نام کتاب میں لکھ دی ہے۔ اس آیت سے بھی تم کو ذہنی اور قلبی تقویت ملنی چاہیے۔ تم کو سوچنا چاہیے کہ جب اللہ نے یہ مصیبت ہمارے نام پہلے ہی سے لکھ دی ہے تو اس پر گھبرانا، رنج کرنا یا مایوس ہو جانا، انتہائی ناشکری، کفران نعمت بلکہ ایک قسم کی بغاوت ہے۔ اگر تم آنے والی مصیبتوں کو نعمت سمجھ لو تو تم کو دائمی مسرت جیسی نعمت حاصل ہو جائے جو کروڑوں اور اربوں روپے میں بھی حاصل نہیں ہو سکتی۔ یہاں آپ کے دل میں یقیناً یہ خیال یہ سوال پیدا ہو گا کہ بھلا مصیبت کو نعمت اور رحمت کس طرح سمجھا جا سکتا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ آپ نے قرآن پاک غور سے نہیں پڑھا۔ غور سے پڑھا ہوتا تو یہ اعتراض ہرگز دماغ میں پیدا نہ ہوتا۔ فرماتے ہیں علمه الذین یستنبطونه (قرآن کا علم ان لوگوں کو حاصل ہوتا ہے جو اس میں سے نتیجے اخذ کرتے ہیں) تو بہت سی آیات ایسی ہیں کہ اگر ان کو بار بار غور سے پڑھا جائے اور سمجھنے کی کوشش کی جائے تو نہایت صحیح معنی سمجھ میں آتے ہیں۔

دیکھئے اللہ کے فرمان کے مطابق مصیبت اس طرح نعمتوں کی تکمیل کا باعث ہوتی ہے۔ مصیبت میں خدا زیادہ یاد آتا ہے اور تضرع وزاری کے ساتھ یاد آتا ہے'۔ قلب میں جو غرور اور خشونت اور رعونت یا غصہ پیدا ہوتا ہے وہ عام جسمانی اور قلبی و دماغی کمزوری کی وجہ سے اگر بالکل کمزور نہ ہو بہت کچھ کم ضرور ہو جاتا ہے اور طبیعت شر و فساد سے ہٹ کر نیکی کی طرف مائل ہو جاتی ہے زندگی سے مایوسی کی وجہ سے انسان اپنے پچھلے گناہوں سے سچی اور پکی توبہ کر لیتا ہے یہ تو عوام کے لئے سالکان راہ خدا کا تجربہ ہے کہ جس قدر کسی کو تکلیف ہوتی ہے اسی قدر اس کا قلبی تعلق خدا سے زیادہ ہو جاتا ہے اور قرب اور لقائے باری تعالیٰ کے حصول میں جس قدر مدد اس سے ملتی ہے وہ کسی اور ریاضت و عبادت سے نہیں ملتی۔ اب خود سوچئے کہ لقاء اور قرب خداوندی سے زیادہ بڑی نعمت اور کون سی ہو سکتی ہے اور یہی ہے وہ تکمیل نعمت جس کا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

مصیبتوں اور تکلیفوں سے سب سے بڑی نعمت جو انسان خصوصاً ایک سالک کو ملتی ہے وہ ہے قوت برداشت۔ یہ صفت اتنی اہم ہے کہ اگر کسی انسان میں نہ ہو تو وہ یا تو پاگل ہو جائے گا یا مر جائے گا۔ غور کیجئے کہ ہر انسان کو صبح سو کر اٹھنے سے رات کو سونے تک ایسی بیسیوں باتیں پیش آتی ہیں جو اس کو سخت ناگوار گزرتی ہیں اور اس کے دماغ پر بہت برا اثر کرتی ہیں۔ مثلاً ناشتہ حسب منشاء نہ تھا۔ ایک بچے نے پلیٹ توڑ دی۔

دوسرے نے اپنے چاقو مار لیا۔ خرچ پر بیوی سے جھڑپ ہو گئی۔ اب دفتر پہنچے تو دیکھا کہ صاحب بہادر کا پارہ کھولاؤ کے درجے تک پہنچا ہوا ہے۔

صبر کے معنی تو برداشت کرنے کے ہیں اور وہ بھی خوشی سے برداشت کرنے کے ہیں

دن بھر جا و بیجا جھاڑ پڑتی رہی۔ گھر کو لوٹے تو راستے میں ایک دوست سے فضول سی بحث ہو گئی۔ الغرض نوے فی صدی لوگوں کے دن رات ایسی ہی لغویات میں صرف ہوتے ہیں پہلے تو وہ برداشت کرتے ہیں پھر رفتہ رفتہ عادی ہو جاتے ہیں۔ سیاست دانوں کے دن رات بھی جوڑ توڑ اور سیاسی جھگڑوں میں کٹتے ہیں۔ بہت بڑے اولوالعزم لوگ جو "زمانہ باتو نسازد تو بازمانہ ستیز" کے اصولوں پر چل کر اپنا راستہ ہی سارے ملک و معاشرے سے الگ بنانا چاہتے ہیں۔ ان کے تفکرات بھی اتنے ہی شدید ہوتے ہیں۔

مہم جو بہادروں کی ہمت پر غور کیجئے موت سے لڑ کر پہاڑوں کی چوٹیوں کو سر کرتے ہیں میدان جنگ میں جب انتہائی گھمسان کی لڑائی ہو رہی ہو اگر فوجوں کو لڑانے والے افسر اور جنرل برداشت کی قوت سے عاری ہوں یا گھبرا جائیں تو ساری فوج کی تباہی اور شکست فاش یقینی ہے۔

چنگیز خان کے تین برس تک سخت خارش رہی مگر اس نے تین برس میں ایک مرتبہ بھی نہیں کھجایا۔ یہ ہے قوت برداشت۔ نپولین بارہ گھنٹے گھوڑے پر سوار رہتا نیند آتی تو وہیں سو جاتا۔

مصطفی کمال پاشا جب پہلی جنگ عظیم میں گیلی پولی پر انگریزوں سے لڑ رہا تھا تو اس نے اپنا ہیڈ کوارٹر ایک پہاڑی کی چوٹی پر بنایا تھا۔ ہیڈ کوارٹر کیا تھا صرف ایک خیمہ تھا۔ وہیں سے وہ اپنی فوج کو لڑاتا تھا۔ ایک دن انگریزوں نے اس قدر سخت گولہ باری کی کہ گولے خیمے سے بیس پچیس فٹ کے فاصلے پر گرنے لگے۔ سٹاف کے افسروں نے کہا کہ آپ کا خیمہ اور پیچھے لگا دیں۔ اس نے انکار کر دیا۔ وہیں سے فوج کو لڑاتا رہا اور آخر کار انگریزوں کو ایسی سخت شکست دی جو برطانیہ کی تاریخ میں سب سے بڑی اور سب سے تباہ کن شکست تھی۔ یہ ہے قوت برداشت جس کے بغیر دنیا کے کسی عظیم الشان کام میں کامیابی نہیں ہو سکتی۔

پیغمبروں کی ہمت اور قوت برداشت پر نظر کیجئے۔ جاہل عوام کی اصلاح کے لئے کیسی کیسی سخت تکلیفیں اٹھاتے ہیں لیکن ان کے پائے ثبات میں تزلزل نہیں آنے پاتا۔ خود اپنے نبی کریمؐ کی مکے کی ۱۳ سال کی زندگی کا مطالعہ کیجئے اگر حضورؐ دشمنوں کے مقابلے میں اس قدر ٹھنڈے دل و دماغ اور برداشت سے کام نہ لیتے اور بات بات پر مشتعل ہو جاتے دشمنوں سے لڑنے لگتے تو آج اس دنیا میں اسلام کا نام و نشان بھی نہ ہوتا۔

پیغمبروں کی ہمت اور قوت برداشت پر نظر کیجئے۔ جاہل عوام کی اصلاح کے لئے کیسی کیسی سخت تکلیفیں اٹھاتے ہیں لیکن ان کے پائے ثبات میں تزلزل نہیں آنے پاتا۔ خود اپنے نبی کریمؐ کی مکے کی ۱۳ سال کی زندگی کا مطالعہ کیجئے اگر حضورؐ دشمنوں کے مقابلے میں اس قدر ٹھنڈے دل و دماغ اور برداشت سے کام نہ لیتے اور بات بات پر مشتعل ہو جاتے دشمنوں سے لڑنے لگتے تو آج اس دنیا میں اسلام کا نام و نشان بھی نہ ہوتا۔ یہی حال صوفیوں کا ہے جو لقائے ربانی اور قرب باری تعالیٰ کا مقصد سامنے رکھ کر سلوک طے کرتے ہیں۔ ان کو بھی ہر ہر قدم پر خانگی، معاشرتی اور مالی رکاوٹوں اور حوادثات کا مقابلہ کرنا ہوتا ہے۔ حالانکہ اس سلوک کے لئے ضروری ہے کہ جب تک سالک اللہ کا خیال ذہن میں رکھے کوئی شے ارتکاز خیال میں رکاوٹ ڈالنے والی نہ ہو۔ چونکہ یہ ممکن نہیں۔ اس لئے لامحالہ قوت برداشت کا تھامنا اور اس کی مشق کرنی ہوتی ہے۔ جب تک قوت برداشت بدرجہ کمال حاصل نہ ہو جائے راہ سلوک میں دو قدم آگے بڑھنا بھی ناممکن ہو جاتا ہے اور یہ تو صرف اتنی دیر کی بات ہے جب کہ سالک مراقبہ یا دھیان میں ہو۔ سب سے مشکل بات تو یہ ہے کہ روزانہ کی زندگی میں جو ناقابل برداشت واقعات اور حادثات پیش آتے ہیں ان کا بھی سالک کے دل پر اتنا اثر نہ ہو جو خدا کو بھلا دے مثلاً سالک کا اکلوتا جوان بیٹا مر جائے۔ بڑی عزت اور معقول تنخواہ کی نوکری چھوٹ جائے اور پاس ایک پیسہ نہ ہو اور بیوی بچوں کا خرچ ناگزیر ہو جائے گھر میں آگ لگے یا چوری ہو جائے کہ ایک چیز بھی باقی نہ بچے۔ جھوٹا الزام لگے اور قید خانے کی ہوا کھانا پڑے۔ کوئی سخت اور لمبی بیماری

آن پڑے اور علاج کی مقدرت نہ ہو۔ الغرض یہ اور ایسی ہی کئی اور مصیبتیں ہیں جن سے اللہ تعالیٰ اپنے راستے کے سالکوں کو نوازتا ہے۔ جیسا کہ اس نے خود قرآن کریم میں فرمادیا ہے۔ اب آپ خود سوچیں کہ ان روح فرسا اور ہوش ربا مصائب و الام کے ہوتے ہوئے کون مائی کا لال ہے جو ان کا اثر دل پر نہ ہونے دے اور برابر آگے بڑھتا چلا جائے۔ اثر ضرور ہونا چاہئے کیونکہ اسلامی تصوف میں نفس کو بالکل ہلاک کر دینا اور خواہشات کو قطعاً مٹا دینا سخت منع ہے۔ لیکن یہ اثر اگر دس پانچ منٹ نہیں تو زیادہ سے زیادہ دو چار گھنٹے رہنا چاہئے اس کے بعد جب خدا کی طرف دھیان کرے تو سوائے خدا کے کچھ بھی یاد نہ رہے اس سے روحانی قوت اتنی بڑھتی ہے اتنا سکون قلب حاصل ہوتا ہے کہ جس کو تجربہ ہو صرف وہی جان سکتا ہے۔

> اللہ کے فرمان کے مطابق مصیبت اس طرح نعمتوں کی تکمیل کا باعث ہوتی ہے۔ مصیبت میں خدا زیادہ یاد آتا ہے اور تضرع وزاری کے ساتھ یاد آتا ہے'۔ قلب میں جو غرور اور خشونت اور رعونت یا غصہ پیدا ہوتا ہے وہ عام جسمانی اور قلبی و دماغی کمزوری کی وجہ سے اگر بالکل کمزور نہ ہو بہت کچھ کم ضرور ہو جاتا ہے اور طبیعت شر و فساد سے ہٹ کر نیکی کی طرف مائل ہو جاتی ہے زندگی سے مایوسی کی وجہ سے انسان اپنے پچھلے گناہوں سے سچی اور پکی توبہ کر لیتا ہے

میں نے جو حلقہ توحیدیہ کی تعلیم میں تزکیہ اخلاق کے لئے غصہ کو نفی کرنا لازم قرار دیا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ غصہ کی نفی سے قوت برداشت پیدا ہوتی ہے۔ پہلے زمانہ کے بزرگ قوت برداشت پیدا کرنے کے لئے اپنے مریدوں کو کئی کئی سال تک سفر کرنے کا حکم دیتے تھے۔ ننگے اور خاکروب کا کام کراتے اور بھیک منگواتے تھے۔ آج زمانہ بدل چکا ہے۔ زندگی کے طریقے' سوچنے کے انداز اور ذہنیت بالکل بدل گئے۔ اگر ایسا کوئی حکم دیا جائے تو شائد ایک آدمی بھی حلقہ میں شامل نہ ہو۔ پھر غصہ کی نفی میں یہ فائدہ ہے کہ اس کی مشق گھر ہی میں ہو سکتی ہے۔ آپ اپنی بیوی کی غلطیوں حتیٰ کہ بد مزاجی پر مطلق غصہ نہ کریں۔ بعض باتوں کو نظر انداز کر جائیں اور بعض پر نہایت میٹھے اور نرم لہجہ میں سمجھا دیں۔ بچوں کی شرارتوں اور نوکروں کی خطاؤں پر ہرگز غصہ نہ کریں بلکہ نرمی اور پیار سے سمجھا دیں۔ آپ دیکھیں گے کہ ادھر آپ کا غصہ بہت کم ہو جائے گا ادھر بیوی بچوں اور نوکروں کی بھی کسی نہ کسی قدر اصلاح ہو جائے گی۔ ہمارے حلقہ میں ایک صاحب ہیں جن کے غصہ سے نہ صرف گھر والے بلکہ ماں باپ اور اہل محلّہ بھی ڈرتے تھے اور ڈر کی وجہ سے کوئی ان کے پاس نہ جاتا تھا۔ وہ جب بیعت ہوئے اور میں نے غصہ کی برائیاں ان کو سمجھائیں تو انہوں نے صرف دس پندرہ دن میں غصہ بالکل نفی کر دیا۔ اب یہ حال ہے کہ وہ گھر اور محلّہ میں سب سے زیادہ ہر دلعزیز ہیں۔ وہ خود مجھے کہتے تھے کہ قبلہ صاحب جس آدمی میں غصہ ہو وہ انسان نہیں حیوان اور درندہ ہے۔

اب آپ کے ذہن میں یہ بات اچھی طرح بیٹھ جانی چاہئے کہ ذکر کا حسب دلخواہ فائدہ اس وقت ہو سکتا ہے جبکہ دنیا کے تمام تفکرات و آلام کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کر کے بے فکر ہو جاؤ کہ جو کچھ اس کو کرنا ہے وہی ہوگا اور اسی میں ہمارا فائدہ ہے اور آنے والی مصیبتوں کو اگر کوئی ٹال سکتا ہے تو صرف اللہ تعالیٰ ہی ٹال سکتا ہے۔ لہٰذا اسی سے دعا کرو اسی کے آگے روؤ اور اسی سے مانگو جو مانگنا ہے ہرگز کسی زندہ یا مردہ بزرگ سے استعانت نہ چاہو۔ اس کا ڈائرکٹ تعلق اپنے ہر بندے کے ساتھ ہے۔ وہ سمیع ہے بصیر ہے مجیب الدعوات ہے۔ اگر اس پر بھی تمہاری دعا قبول نہ ہو تو سمجھ لو کہ جو کچھ تم مانگ رہے ہو۔ خدا اس کو تمہارے لئے اچھا نہیں سمجھتا۔ لہٰذا اپنی مرضی کو اسی کی مرضی کے سپرد کر دو اور جو کچھ بھی ہو اس پر خوش رہو۔ کیا مسلمان ہو کر یا توحیدی بن کر تم نے خدا سے یہ ٹھیکہ کر لیا ہے کہ جب تک وہ تمہاری مرضی کے مطابق کام کرتا رہے اس وقت تک وہ تمہارا خدا اور تم اس کے بندے ہو اور جب کوئی کام وہ تمہاری مرضی کے خلاف کرے تو پھر کس کا خدا اور کس کی بندگی؟ لا حول و لا قوۃ الا باللہ لعنت ہے ایسی بندگی پر۔

اب آپ کو معلوم ہو گیا ہوگا کہ مصیبتوں کو خوشی سے برداشت کرنا راضی برضائے الٰہی رہنا اللہ تعالیٰ تک پہنچنے کے لئے کس قدر ضروری ہے۔

روزے ضرورت و اہمیت

مولانا نازوار حسین

روزہ اسلام کا تیسرا رکن اور فرض محکم ہے، یہ ان عبادات میں سے ہے جن کو دین اسلام کا ستون اور شعار قرار دیا گیا ہے، صبح صادق کے طلوع ہونے سے غروب آفتاب تک کھانے پینے اور مباشرت سے رکا رہنے کا نام روزہ ہے، جبکہ یہ سب روزہ کی نیت کے ساتھ ہو، پس اگر غروب آفتاب سے ایک منٹ پہلے بھی کچھ کھا پی لیا تو روزہ نہیں ہوا۔ اسی طرح اگر ان تمام چیزوں سے پرہیز تو پورے احتیاط کے ساتھ کیا مگر نیت روزہ کی نہیں کی تب بھی اس کا روزہ نہیں ہوا۔ روزہ کی اہمیت کا اندازہ اس سے لگائیے کہ روزہ کی فرضیت صرف امت محمدیہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ مخصوص نہیں ہے بلکہ اس سے پہلے جو امتیں گزری ہیں ان پر بھی روزے فرض کیسے گئے تھے۔ جیسا قرآن حکیم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

"اے ایمان والو! تم پر روزے فرض کئے گئے جیسا کہ تم سے پہلے لوگوں پر فرض کئے گئے تھے تاکہ تم پرہیزگار بن جاؤ۔ اور یہ فرض روزے چند گنتی کے دنوں یعنی ایک ماہ کے روزے ہیں۔"
(سورہ بقرہ آیت ۱۸۳، ۱۸۴)

اس آیت مبارکہ سے روزہ کی خاص اہمیت بھی معلوم ہوتی ہے اور مسلمانوں کی دلجوئی کا بھی انتظام کیا گیا ہے کہ اگرچہ روزہ مشقت کی چیز ہے مگر یہ مشقت گنتی کے چند دنوں کے لئے ہے اور تم سے پہلے لوگ بھی یہ مشقت اٹھاتے رہے ہیں اور یہ طبعی بات ہے کہ جب مشقت عام ہو اور بہت سے لوگ اس میں مبتلا ہوں تو وہ ہلکی معلوم ہونے لگتی ہے، جو امتیں اس امت سے پہلے گزر چکی ہیں۔ ان پر بھی روزے فرض تھے، لیکن اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ ان کے روزے تمام حالات وصفات میں مسلمانوں کے روزوں کے مساوی ہوں، چنانچہ ہر امت کے فرض روزوں کی تعداد مختلف رہی ہے اور ان کے ایام و اوقات اور بعض صفات میں بھی فرق ہوتا رہا ہے۔ لیکن حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت خاتم الانبیاء محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک کی تمام شریعتوں اور امتوں میں روزہ فرض رہا ہے اور جس طرح نماز کی عبادت سے کوئی شریعت اور کوئی امت خالی نہیں رہی اسی طرح روزہ بھی ہر شریعت میں اور ہر امت پر فرض محکم رہا ہے۔

روزہ کی ایک اہمیت آیت مذکورہ میں یہ بیان فرمائی ہے تاکہ تم پرہیزگار بن جاؤ۔ اس سے معلوم ہوا کہ تقویٰ اور پرہیزگاری حاصل کرنے میں روزہ کو بڑا دخل ہے کیونکہ روزہ رکھنے سے اپنی خواہشات نفسانی کو قابو میں رکھنے کا ایک ملکہ پیدا ہوتا ہے جو کہ تقویٰ کی بنیاد ہے اور تقویٰ ہی سے اللہ تعالیٰ کا تقرب حاصل ہوتا ہے اور متقی آدمی اللہ تعالیٰ کے نزدیک زیادہ مکرم ہوتا ہے جیسا کہ ارشاد ہے کہ۔

"تم میں سب سے زیادہ مکرم اللہ تعالیٰ کے نزدیک وہ شخص ہے جو سب سے زیادہ متقی ہے۔"
(سورہ الحجرات آیت ۱۳)

فطرت کا یہ تقاضا کہ انسان کی عقل کو اس کے نفس پر ہمیشہ کا غلبہ اور تسلط حاصل رہے، لیکن اکثر اوقات بشری تقاضوں کے باعث اس کا نفس اس کی عقل پر غالب آجاتا ہے۔ اس لئے اسلام نے نفس کی اصلاح اور پاکیزگی کے لئے روزہ کو فرض فرمایا اور اصول دین میں سے ٹھہرایا ہے، کیونکہ زیادہ کھانے پینے اور نفسانی خواہشات میں مبتلا رہنے سے سوائے نفسانی و شہوانی کو ترقی ہوتی ہے جس کا لازمی نتیجہ گناہ، برائی اور بے حیائی ہے، اس سے انسان کی دنیا اور آخرت کی زندگی تباہ و برباد ہو جاتی ہے اور کم کھانے پینے اور خواہشات نفسانی میں میانہ روی اختیار کرنے سے پرہیزگاری حاصل ہوتی ہے۔ اس لئے ارشاد فرمایا ہے کہ تم پر روزے اس لئے فرض کئے گئے ہیں تاکہ تم پرہیزگار بن جاؤ۔

روزہ رکھنے میں بہت سی حکمتیں اور فوائد ہیں، جن سے روزہ کی اہمیت پر روشنی پڑتی ہے، ایک حکمت یہ ہے کہ روزہ رکھنے سے انسان کو اپنی عاجزی اور مسکینی اور خدا تعالیٰ کی عظمت و جلال اور اس کی قدرت کاملہ پر نظر پڑتی ہے اور اس سے بندگی او فرمانبرداری کی صفت پیدا ہوتی ہے، روزہ کی برکت سے چشم بصیرت کھلتی ہے اور دین کی سمجھ میں ترقی ہوتی ہے، روزہ کی حالت میں فرشتوں کی صفات ملکیہ سے متصف ہوتا ہے اور اس کی برکت سے انسان کو ملائکہ الٰہی کے ساتھ قرب حاصل ہوتا ہے روزہ کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ کی شکر گزاری کا موقع ملتا ہے، درندگی اور چوپایوں والی صفت سے دوری حاصل ہوتی اور انسانی ہمدردی کا جذبہ دل میں پیدا ہوتا ہے کیونکہ جب تک کسی شخص نے بھوک اور پیاس کی تکلیف کو محسوس ہی نہ کیا ہو وہ بھوکوں اور پیاسوں کے حال سے کس طرح واقف ہو سکتا ہے۔

منقول ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام جب مصر میں عزیز مصر تھے اور مصر میں قحط سالی کا طویل دور شروع ہوا تو اس زمانے میں آپ شکم سیر ہو کر نہیں کھاتے تھے تاکہ بھوکے لوگوں کی تکلیف کو بھول نہ جائیں اور ان کی امداد میں فرق نہ آجائے۔

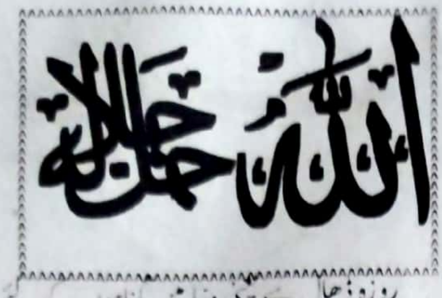
جو شخص بھوک اور پیاس کی مشقت سے واقف نہ ہو رزاق مطلق کی نعمتوں کا شکر حقیقی طور پر ادا نہیں کر سکتا اگرچہ زبان سے شکر کے الفاظ ادا کرتا رہے۔ جب تک کسی کے معدہ میں بھوک

اور پیاس کا اثر اور اس کے رگ و ریشہ میں ضعف و ناتوانی کا احساس نہ ہو اس کو اللہ تعالیٰ کی ان نعمتوں کی قدر نہیں ہوتی، جو اس کی بھوک پیاس کو دور کرتی اور کمزوری کو زائل کرتی ہیں۔ اسی لئے وہ ان خداوندی نعمتوں کا کماحقہ شکر بھی ادا نہیں کر سکتا۔ روزہ انسان کے لئے ایک روحانی غذا ہے جو دوسرے جہان یعنی آخرت میں انسان کو ایک غذا کا کام دے گا۔ جن لوگوں نے اس دنیا میں روزے نہیں رکھے وہ اس جہان میں بھوکے پیاسے ہوں گے اور ان پر آخرت میں روحانی افلاس ظاہر ہو گا کیونکہ انہوں نے اپنے ساتھ اپنا زاد راہ نہیں لیا۔

روزہ کی اہمیت یہ بھی ہے کہ یہ بلغمی امراض اور رطوبات فضلہ کو جسم سے زائل کر دیتا ہے، روزہ میں صبر اور برداشت کرنے کی عادت ہو جاتی ہے، ریگستان یا بیابانی سفر میں اگر اتفاق سے غذا یا پانی میسر نہ آئے تو روزہ کا عادی شخص اس فاقہ کو برداشت کر سکتا ہے، بخلاف زیادہ کھانے والے شخص کے جو فاقہ کو زیادہ دیر تک برداشت نہ کر کے تھوڑے عرصہ میں موت کے منہ میں پہنچ جاتا ہے، اسی طرح میدان جہاد میں روزہ کا عادی بھوک پیاس برداشت کر سکتا ہے۔ مشہور ہے کہ کسی ملک میں دو اشخاص کو غیر ملکی جاسوس ہونے کے جرم میں گرفتار کر کے جیل خانہ میں بند کر دیا گیا، ان میں سے ایک شخص موٹا تازہ تھا جو دن میں کئی مرتبہ کھاتا پیتا تھا اور دوسرا شخص کمزور تھا جو اکثر روزہ سے رہتا تھا ایک ہفتہ بعد معلوم ہو کہ دونوں بے گناہ ہیں۔ جب جیل خانہ کا دروازہ کھولا گیا تو جو شخص موٹا تازہ تھا وہ مرچکا تھا اور جو دبلا پتلا کمزور تھا وہ زندہ سلامت تھا۔ لوگوں کو اس بات پر بہت تعجب ہوا "اتفاقاً" ایک دانا آدمی کا ادھر سے گزر ہو جب اس کو اس واقعہ کا علم ہوا تو اس نے کہا کہ یہ کوئی تعجب کی بات نہیں بلکہ اگر اس کے برخلاف ہوتا تو تعجب ہوتا اس لئے کہ یہ موٹا تازہ آدمی بھوک و پیاس کی برداشت کا عادی نہیں تھا اس لئے اتنا عرصہ کھائے بغیر زندہ نہیں رہ سکتا تھا اور یہ دبلا پتلا آدمی روزے کا عادی تھا اس لئے بھوک و پیاس کو اتنے عرصہ تک برداشت کر گیا اور زندہ سلامت رہا۔

ان سب مصلحتوں اور حکمتوں کے باوجود روزہ کی ایک بہت بڑی اہمیت اور ایک خاص حکمت یہ ہے کہ روزہ اللہ تعالیٰ کی محبت کا ایک بہت بڑا نشان ہے جس طرح کوئی شخص کسی کی محبت میں سرشار ہو کر کھانا پینا چھوڑ دیتا ہے اور میاں بیوی کے تعلقات بھی اس کو بھول جاتے ہیں اسی طرح روزہ دار بھی اللہ تعالیٰ کی محبت میں سرشار ہو کر اسی حالت کا اظہار کرتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کے لئے روزہ رکھنا جائز نہیں ہے اور اسی لئے حدیث شریف میں آیا ہے، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ آدمی کے ہر نیک عمل کا ثواب دس گنا سے سات سو گنا تک بڑھا دیا جاتا ہے۔ اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے مگر روزہ کہ وہ خاص میرے ہی لئے ہے اور میں ہی اس کی جزا دوں گا یعنی اس کی جزا میں ہی جانتا ہوں میں خود ہی دوں گا اس کو کسی اور کے سپرد نہیں کروں گا کیونکہ وہ اپنی خواہشات اور اپنا کھانا پینا میرے لئے ہی چھوڑتا ہے۔ روزہ دار کے لئے دو خوشیاں ہیں ایک خوشی اس کو افطار کے وقت حاصل ہوتی ہے اور ایک خوشی آخرت میں اپنے پروردگار یعنی اللہ تعالیٰ سے ملاقات کے وقت حاصل ہوگی۔

روزہ دار کے منہ کی بو جو عام طور پر بھوک پیاس کے وقت منہ میں پیدا ہوجاتی ہے اللہ تعالیٰ کے نزدیک مشک کی خوشبو سے بھی زیادہ نفیس اور پاکیزہ ہے۔



روزہ ڈھال ہے کہ دنیا میں گناہوں کے لئے اور آخرت میں دوزخ کے لئے اور تم میں سے جب کسی کا روزہ ہو تو وہ نہ فحش کلام کرے اور نہ اونچی آواز سے بیہودہ چلائے پھر اگر اس کو کوئی گالی دے یا برا بھلا کہے یا اس سے لڑائی جھگڑا کرے تو اس کو یہ کہہ دینا چاہیے کہ بھائی میں تو روزہ دار ہوں۔ اس حدیث کو امام بخاری رحمتہ اللہ و امام مسلم رحمتہ اللہ نے روایت کیا ہے، اس روایت سے معلوم ہوا کہ روزہ کا ثواب بے انتہا ہے اس کو اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی نہیں جانتا کہ کس کو کتنا اجر و ثواب ملے گا۔

روزے کے فضائل میں بہت سی حدیثیں وارد ہوئی ہیں جس سے روزہ کی اہمیت واضح ہو جاتی ہے۔ ایک حدیث میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جنت کے آٹھ دروازے ہیں ان میں سے ایک دروازہ کا نام ریان ہے، اس دروازے سے صرف روزہ دار ہی داخل ہوں گے۔

نیز حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جو شخص روزے کی حالت میں جھوٹ بولنا اور اس پر عمل کرنا نہیں چھوڑتا تو اللہ تعالیٰ کو اس کے روزے کی ضرورت نہیں ہے۔ رمضان المبارک کا مہینہ شروع ہو رہا ہے جو اللہ تعالیٰ کی بے شمار رحمتوں اور برکتوں کا مہینہ ہے، اللہ تعالیٰ ہم سب مسلمانوں کو اس مبارک ماہ کے تمام روزے پورے آداب کے ساتھ رکھنے اور اس ماہ مبارک کی فضیلتوں کو حاصل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین!

اللہ اکبر

قرآن کریم اور رمضان المبارک

حکیم محمد سعید شہیدؒ

رمضان کا مقدس مہینہ اپنی اہمیت' صفات' خصائص اور برکات کے اعتبار سے تمام مہینوں پر فضیلت رکھتا ہے۔ یہ وہ مہینہ ہے کہ جس میں سرور کائنات محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر قرآن کریم نازل ہوا۔ قرآن کریم کا نزول انسانوں کی ہدایت و رہنمائی اور ایک ضابطہ حیات کے طور پر ہوا۔ رمضان المبارک خوش نودی رب اور احتساب کا مہینہ ہے۔ یہ مہینہ ایثار و قربانی' نفس کشی' تعلق باللہ اور تطہیر جسم و روح کا مہینہ ہے۔ اس کی ستائیسویں شب تاریخ ارض کی سب سے بڑی سب سے زیادہ روشن اور منور شب ہے۔ اس میں نزول قرآن کی ابتداء ہوئی اور قرآن کی روشنی نے صفحہ ارض کی تمام تاریکیوں کو دور کر کے انسانی بصارت و بصیرت اور فہم و ادراک کے لئے تمام راہیں روشن کر دیں۔

قرآن سے پہلے بھی دنیا کی مختلف قوموں امتوں کے لئے کتابوں کا نزول ہوتا رہا' لیکن عالم گیر اور ہمہ گیر حیثیت صرف قرآن ہی کو حاصل ہوئی ہے۔ یہ ایک ضابطہ اخلاق اور دستور حیات ہے۔ نظام حکومت اور آئین شریعت ہے۔ اس وقت دنیا میں سوائے قرآن پاک کے کوئی بھی کتاب ایسی نہیں جو تحریف سے پاک ہو' جس کی تعلیمات اپنی اصل صورت میں موجود ہوں اور جو نفس و روح کے ہر مرض اور ہر دکھ کا تیر بہ ہدف علاج پیش کرتی ہو۔ قرآن پاک ہی وہ مقدس صحیفہ ہے جو لفظی اور معنوی اعتبار سے ہر قسم کے تغیر سے محفوظ ہے۔ اس کے بارے میں یہ دعویٰ بالکل صحیح اور درست ہے کہ وہ جن الفاظ کے ساتھ آج سے 14 سو سال پہلے نازل ہوا تھا بعینہ انہی الفاظ کے ساتھ آج تک محفوظ ہے۔

قرآن کا نزول انسانیت پر اللہ تبارک و تعالیٰ کا سب سے بڑا احسان ہے۔ آج ابتدائے نزول قرآن کو پورے چودہ سو سال ہو چکے ہیں۔ اس مدت طویل میں اس کے کسی ایک حرف اور کسی ایک نقطے میں بھی کوئی تغیر و تبدل نہیں ہوا۔ اسی طرح ہدایت و رہنمائی کے جو اصول قرآن میں ملتے ہیں وہ چودہ صدیاں گزر جانے کے بعد آج بھی انسانیت کی اصلاح و فلاح کے ضامن ہیں اور قیامت تک یہ خصوصیت قائم رہے گی۔ آج انجیل مقدس کے ماننے والے بھی موجود ہیں اور توریت و زبور پر اعتقاد رکھنے والے بھی۔ بلاشبہ ان کتابوں کا آسمانی کتاب ہونا ایک حقیقت ہے' لیکن اس حقیقت سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا کہ ان کتابوں میں اس درجہ تحریف ہو گئی کہ ان کے احکام و ہدایات اپنے اصل جوہر سے محروم ہو چکے ہیں۔ قرآن کے بارے میں یہ بات نہیں کہی جا سکتی۔ حتیٰ کہ قرآن کے بارے میں یہ بات وہ متشرقین بھی نہیں کہہ سکے جن کا منشائے حیات ہی مخالفت اسلام و قرآن ہے۔ قرآن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے

انانحن نزلنا الذکر وانالہ لحافظون (الحجر-9)

(رہا یہ ذکر' تو اس کو ہم نے نازل کیا ہے اور ہم خود اس کے نگہبان ہیں)۔

ہم مسلمان ہیں۔ ہمارا دعویٰ ہے کہ قرآن مجید اللہ تعالیٰ کی نازل کی ہوئی کتاب اور دنیا کی رہنمائی کے لئے آخری صحیفہ ہے۔ بنی نوع انسان کی صلاح و فلاح قرآن کے ماننے پر منحصر ہے۔ قرآن کے بارے میں ہمارا یہ دعویٰ اگر محض منافقانہ نہیں تو اس کا کم از کم تقاضا یہ ہے کہ یہ کتاب ہم کو تمام کتابوں سے زیادہ عزیز ہو اور ہم تمام علوم و فنون کے مقابلے میں اس کے سیکھنے اور سمجھنے کے زیادہ شائق ہوں۔ کسی کتاب کو اللہ کی کتاب ماننا' اس کے ہدایت بخش ہونے پر اصرار کرنا اور پھر بھی ہماری زندگی کا اس کتاب سے بے تعلق ہونا کچھ سمجھ میں آنے والی بات نہیں۔ یہ کیسے ممکن ہے کہ اس کتاب سے تعلق تو ہمیں ویسا ہی ہو جیسا کہ ہم ظاہر کرتے ہیں' لیکن عملاً اس سے ہم اس قدر بے تعلق ہوں کہ یہ کتاب نہ تو ہمارے اسکولوں میں پڑھائی جاتی ہو نہ کالجوں اور یونیورسٹیوں میں۔ نہ اس کا کوئی گزر ہماری عدالتوں میں ہو نہ دفتروں' گھروں اور بازاروں میں' حتیٰ کہ ہمارے دل میں بھی نہیں!

قرآن پاک اس لئے بھی قابل توجہ اور قابل مطالعہ ہے کہ اس کو انسانی معاشرے کی تاریخ میں بڑا اہم مقام حاصل ہے۔ اس کتاب نے انسانی تاریخ کا وہ عظیم انقلاب برپا کیا جس کی کوئی نظیر نہیں۔ دنیا میں لاتعداد انقلابات آئے مگر دنیا کی آنکھ نے ایسا انقلاب کبھی نہ دیکھا تھا کہ جس کا اصل باعث ایک کتاب اور اس کی تعلیمات رہی ہوں۔ چنانچہ اگر ہم صرف تاریخ میں دلچسپی رکھتے ہیں تب بھی ہمیں انسانی تاریخ کی اس سب سے بڑی اور موثر کتاب کا مطالعہ کرنا چاہئے۔

مجھے یہ بتانے کی ضرورت نہیں کہ قرآن صرف پڑھنے (قرآن خوانی) ہی کے لئے نہیں ہے بلکہ سمجھنے (قرآن فہمی) کے لئے بھی ہے۔

تلاوت قرآن کے آداب

خرم مراد

☆ قرآن مجید کے ساتھ ہمارا تعلق کیا ہونا چاہیے؟ اس کو ہمیں کیسے پڑھنا چاہیے؟ اس کے لیے قرآن مجید نے ایک ہی لفظ استعمال کیا ہے اور وہ ہے تلاوت۔ ہم مطالعہ قرآن اور اس طرح کے بہت سے الفاظ استعمال کرتے ہیں۔ میں قرآن کے اتباع میں اسی اصطلاح کو استعمال کر رہا ہوں، اگرچہ مطالعہ قرآن کے آداب و شرائط بھی عنوان بنا سکتا تھا۔

تلاوت کا مفہوم:

تلاوت کے لفظ سے عام طور پر یہ بات ذہن میں آتی ہے کہ آدمی سپارہ اٹھائے، قرآن اٹھائے اور پڑھے، یا نماز میں کھڑا ہو کر تلاوت کرے لیکن تلاوت کا لفظ عربی زبان میں، جس مادے سے نکلا ہے، ت ل و ہے، اس کے معنی ہیں پیچھے آنا۔ پڑھنا تو ایک ثانوی عمل ہے۔ آپ غور کریں گے تو دیکھیں گے، پڑھنا تو ایسے ہے کہ ایک حرف کے بعد دوسرا حرف آئے، ایک لفظ کے بعد دوسرا لفظ آئے ایک آواز کے بعد دوسری آواز آئے۔ اگر حروف کو الٹ پلٹ دیں، جملے الٹ پلٹ دیں تو کوئی بات سمجھ نہ آئے گی۔ ایک کے بعد دوسرے کا آنا بھی پڑھنے کا اور سمجھنے کا عمل ہے۔ لیکن اس کے معنی کے اندر بڑی وسعت ہے۔ اس کے معنی ہیں کہ دل و دماغ اس کے پیچھے لگ جائیں، زندگی بھی اس کے پیچھے لگ جائے اور قدم بھی اس کے پیچھے اٹھیں۔ وہی امام ہو، وہی نور ہو، وہی ہدایت ہو، وہی راہ نما ہو۔ آدمی پڑھے تو اس کا دل بھی اس کے اندر جذب ہو جائے، آنکھیں بھی اس کے اندر جذب ہو جائیں۔ زندگی کا کوئی گوشہ، کوئی پہلو تلاوت کے اثر سے خالی نہ رہے۔ تلاوت کے اس عمل سے، جب زبان الفاظ پڑھے گی تو آنکھیں بہنے لگیں گی، جسم کے رونگٹے کھڑے ہو جائیں گے، دل بھی کانپ اٹھے گا، عمل بھی بدل جائے گا اور سوچ میں بھی انقلاب آجائے گا۔ یہ سب کچھ جب اس کے پیچھے لگ جائیں، تو یہ تلاوت کا عمل ہوگا۔ اس تلاوت کے نتیجے میں تبدیلی آتی ہے۔

انسان تو ایک بہت نامعلوم سی چیز ہے، ایک زمانہ تھا کہ وہ ناقابل ذکر شے تھا۔ هَلْ اَتٰى عَلَى الْاِنْسَانِ حِيْنٌ مِّنَ الدَّهْرِ لَمْ يَكُنْ شَيْئًا مَّذْكُوْرًا ○ اِنَّا خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَةٍ اَمْشَاجٍ نَّبْتَلِيْهِ فَجَعَلْنٰهُ سَمِيْعًا بَصِيْرًا ○ (الدھر ۷۶: ۱-۲) "کیا انسان پر لامتناہی زمانے کا ایک وقت ایسا بھی گزرا ہے جب وہ کوئی قابل ذکر چیز نہ تھا؟ ہم نے انسان کو ایک مخلوط نطفے سے پیدا کیا تا کہ اس کا امتحان لیں اور اس غرض کے لیے ہم نے اسے سننے اور دیکھنے والا بنایا"۔ اگر انسان اپنے آپ کو قرآن کی آغوش میں ڈال دے، سپرد کر دے تو وہ اس کو بالکل بلندیوں پر پہنچا سکتا ہے۔ اسی چیز کو حدیث میں کہا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے روز بندے سے کہے گا کہ قرآن پڑھتا جا، اور اوپر چڑھتا جا، سہولت کے ساتھ، آسانی کے ساتھ۔ لہٰذا اگر اپنے آپ کو قرآن مجید کے سپرد کر دیا جائے تو عظمت و سربلندی کی کوئی انتہا نہیں ہے

تلاوت کی شرائط:

تلاوت کے حقیقی مفہوم تک پہنچنے کے لیے کچھ شرائط اور کچھ آداب ہیں۔ میں چاہتا ہوں کہ ان کو مختصراً آپ کے سامنے بیان کروں۔ یوں سمجھیے کہ یہ زادِ سفر ہے۔

۱۔ اس میں پہلی چیز یہ ایمان ہے کہ یہ اللہ کا کلام ہے اللہ کا کلام ہونے پر ایمان تو سب مسلمانوں کا ہے، لیکن اس ایمان کے کچھ مزید عملی تقاضے بھی ہیں جن کے بغیر ایمان ادھورا اور نامکمل ہے۔ اس ایمان کے بغیر یہ کتاب ہدایت اور رہنمائی کا کام نہیں کرتی۔ یہ ایمان سب کے لیے ضروری ہے، رسول کے لیے بھی ایمان رکھنا ضروری ہے۔

اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ وَالْمُؤْمِنُوْنَ ط (البقرہ ۲: ۲۸۵) "رسول اس ہدایت پر ایمان لایا ہے جو اس کے رب کی طرف سے اس پر نازل ہوئی ہے اور جو لوگ اس رسول کے ماننے والے ہیں، انھوں نے بھی اس ہدایت کو دل سے تسلیم کیا ہے"۔

اس تفصیل میں جانے کی یہاں ضرورت نہیں ہے کہ بغیر ایمان کے ہدایت کیوں حاصل نہیں ہو سکتی۔ یہ فلسفہ اور منطق کے مسائل ہیں جو اس وقت میرا موضوع نہیں۔ ان سب کا جواب بھی دیا جا سکتا ہے۔ بہرحال پہلی چیز ایمان ہے۔ یہ اس لیے بھی ضروری ہے کہ اسی ایمان کے بعد ہی وہ کیفیت پیدا ہوتی ہے جس سے آدمی اس کتاب کے لیے محنت کرنے کو تیار ہوتا ہے، اور جو تعلق، شوق اور اضطراب ہونا چاہیے، جو بے چینی ہونی چاہیے، وہ حاصل ہوتی ہے۔ جس کو آدمی اپنا خالق سمجھتا ہو، جس کی رحمت کا اس کو یقین ہو، جس کی محبت کے اندر وہ غرق ہو، یہی احساس کہ اسی کا نامہ اور خط میرے پاس آیا ہے، وہ ساری کیفیات پیدا کرتا ہے، جو کہ اس کتاب کے

ساتھ تعلق کے نتیجے میں پیدا ہونی چاہئیں۔

۲۔دوسری چیز نیت کا اخلاص ہے۔اس نیت کے علاوہ کہ اللہ سے ہی رہنمائی لینی ہے، اللہ سے قریب ہونا ہے، اللہ کی معرفت حاصل کرنا ہے، کوئی اور نیت قرآن کے بارے میں صحیح نہیں ہوسکتی۔کوئی اور نیت ہوگی تو وہ گمراہ بھی کردے گی۔یہ عجیب بات ہے کہ یہ کتاب ہدایت گمراہ بھی کردیتی ہے۔ فَيُضِلُّ اللّٰهُ مَنْ يَّشَآءُ وَيَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ ط(ابراہیم ۱۴:۴) ''اللہ جسے چاہتا ہے بھٹکا دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے ہدایت بخشتا ہے''۔ يُضِلُّ بِهٖ كَثِيْرًا وَّيَهْدِيْ بِهٖ كَثِيْرًا ط(البقرہ۲:۲۶)''اللہ ایک ہی بات سے بہتوں کو گمراہی میں مبتلا کردیتا ہے اور بہتوں کو راہِ راست دکھا دیتا ہے''۔تلاوت کے لیے شرائط تو اور بھی ہیں لیکن نیت کا خالص ہونا بنیادی شرط ہے۔

۳۔ تیسری چیز حمد اور شکر ہے۔اس لیے کہ جو عظیم الشان خزانہ اور نعمت اللہ تعالیٰ نے ہمارے ہاتھوں میں تھمائی ہے، ہمارے سپرد کی ہے، اس پر ہمارا دل حمد اور شکر کے جذبات سے لبریز ہونا چاہیے۔

وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ هَدٰىنَا لِهٰذَا ۣ وَمَا كُنَّا لِنَهْتَدِيَ لَوْلَآ اَنْ هَدٰىنَا اللّٰهُ ۚ(الاعراف۷:۴۳)

اور وہ کہیں گے کہ'' تعریف خدا ہی کے لیے ہے جس نے ہمیں یہ راستہ دکھایا، ہم خود راہ نہ پا سکتے تھے اگر خدا ہماری رہنمائی نہ کرتا''۔

حمد اور شکر سے ہی سارے دروازے کھلتے ہیں۔''اگر شکر گزار بنو گے تو میں تم کو اور زیادہ نوازوں گا''(ابراہیم ۱۴:۷)۔اور جس کو قدر ہی نہ ہو کہ کیا مل رہا ہے، اس کے لیے دروازے بند ہو جاتے ہیں۔ دروازے اسی کے لیے کھلیں گے، اسی کو ملے گا جس کو قدر ہوگی، جو شکر کرے گا۔شکر کا حق ادا نہیں ہوسکتا بلکہ کسی بھی چیز کے شکر کا حق ادا نہیں ہوسکتا۔لیکن جو نعمت سب سے بڑی نعمت ہو، جو اس عارضی اور فانی دنیا کو لافانی زندگی میں تبدیل کرسکتی ہو، اس کا شکر بجا لائیں تو کیسے بجا لائیں! اس فانی زندگی کی کسی ایک نعمت کا بھی شکر ادا کرنا محال ہے۔کوئی آدمی اگر چاہے کہ ہاتھ پاؤں کا حق ادا کردے، حق ادا نہیں کرسکتا، اور جو کتاب اس ہاتھ پاؤں کو ہمیشہ کے لئے قائم کردے گی، اس کتاب کا شکر کیسے ادا کیا جاسکتا ہے۔ لیکن پھر بھی شکر ادا کرنا ضروری ہے۔

۴۔ چوتھی چیز اعتماد ہے کہ جو چیز بھی اس کتاب میں صحیح ہے، وہی میرے لیے نافع ہے، اسی میں میری بھلائی ہے، اسی میں خیر ہے۔ریب (شک) اور تذبذب، یہ دو مرض کینسر کی طرح کتاب کے ساتھ تعلق کو تباہ کرتے ہیں۔اگر کوئی آدمی شک یا تذبذب میں مبتلا ہو، تو وہ اس کتاب سے فائدہ نہیں اٹھا سکتا۔ قرآن نے بار بار ایسے لوگوں کی نفی کی ہے، اور اسی لیے آگاہ اس طرح کیا ہے کہ لاریب فیہ، اس بات میں کہ یہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے، کوئی شک نہیں ہے۔ جس کو اس کے کلام الٰہی ہونے میں یا اس کی کسی بھی بات میں ذرا بھی شک ہو، اس کے لیے یہ کتاب ہدایت نہیں ہے۔جس میں تردد پیدا ہوگیا، وہ بھی اس کتاب سے ہدایت نہیں پاسکتا۔

۵۔پانچویں چیز اطاعت ہے، یعنی انسان قرآن کے مطابق اپنے اندر تبدیلی اور تغیر لائے۔لیکن آدمی جب اطاعت کرے گا تو اس سے گناہ بھی ہوں گے، نافرمانیاں بھی ہوں گی، آدمی پھسل بھی جائے گا، لیکن پہلے سے خود سپردگی کی کیفیت کہ جو یہ کتاب کہے گی، وہ میں کرنے کی کوشش کروں گا، آداب تلاوت میں سے ہے۔یہ کتاب نکتہ آفرینی یا ذہنی عیاشی کے لیے نہیں ہے۔یہ کتاب تو آئی ہی اسی لیے ہے کہ انسان اس کے پیچھے چلیں، اس کو مضبوطی کے ساتھ پکڑ لیں۔

''اے یحییٰ، کتاب الٰہی کو مضبوط تھام لے'' (مریم ۱۹:۱۲)۔ پھر اسی کا چرچا کریں، اسی کے پیچھے چلیں اور قرآن کے مطابق اپنے اندر تبدیلی اور تغیر لائیں۔یہ اطاعت کا بنیادی تقاضا ہے۔

۶۔چھٹی چیز یہ ہے کہ اس کتاب سے فائدہ اٹھانے میں جو خطرات لاحق ہوں ان سے بچنے کے لیے شیطان سے اللہ کی پناہ مانگو۔شیطان تو گھات لگا کر بیٹھے گا۔اس نے کہا ہے کہ دائیں سے آؤں گا، بائیں سے آؤں گا، آگے سے آؤں گا، پیچھے سے آؤں گا، اور اس طریقے سے، جسے یہ کتاب لے کر آئی ہے، جو لوگ اس پر چلنا چاہیں گے ان کو ہٹانے کی کوشش کروں گا۔ایسے میں پھر کون پناہ دے سکتا ہے، کون سہارا دے سکتا ہے، کس کے پاس فصیل اور قلعہ ہے جس میں ہمیں پناہ مل سکتی ہے سوائے اس کے کہ جس نے اس کتاب کو اتارا ہے۔اس لیے قرآن کہتا ہے کہ جب کتاب پڑھو تو پہلے اللہ کی پناہ مانگ لو۔

''پھر جب تم قرآن پڑھنے لگو تو شیطان رجیم سے خدا کی پناہ مانگ لیا کرو۔(النحل ۱۶:۹۸)''

قرآن پڑھنے کے لیے یہ حکم اسی بات کے پیش نظر آیا ہے۔یہ زندگی کے لیے بڑی نازک اور اہم جستجو اور سفر ہے اور اس سفر میں بڑے خطرات ہیں۔ ان خطرات کا احساس، ان کا ادراک اور شعور ضروری ہے اور ان سے بچنے کے لیے تعوذ پڑھنا ناگزیر ہے۔

یہ چھ چیزیں بنیادی لوازمات کی حیثیت رکھتی ہیں، اور اس کتاب کے لیے زاد سفر ہیں اور ناگزیر ہیں۔یہ ظاہری آداب تھے۔اس کے بعد کچھ باطنی آداب ہیں۔

باطنی آداب:

ہماری شخصیت کے دو حصے ہیں۔ ایک ظاہری ہے اور دوسرا باطنی۔ ایک جسم اور ہاتھ پاؤں ہیں اور دوسری اندرونی شخصیت ہے۔ یہ ہمارا دل اور قلب ہے۔ اس کو قرآن مجید نے قلب سے تعبیر کیا ہے اس قلب کو تلاوت کے عمل میں شریک کیا جائے۔ یہ نہیں کہ آدمی زبان سے پڑھتا جائے اور دل کہیں اور گھوم رہا ہو۔ وہ کیا چیزیں ہیں جن سے دل بھی اس تلاوت کے عمل میں شریک ہو سکتا ہے؟ اب میں ان کا تذکرہ کروں گا۔

۱۔ خود اللہ تعالیٰ نے کلام پاک میں ذکر فرمایا ہے کہ اس کتاب کے پڑھنے والوں پر اس کے اثرات اور تجلیات مرتب ہوتی ہیں۔ ان کو آپ ایک لحظے اور ایک لمحے کے لیے تازہ کر لیں۔ یہ تلاش کرنا آپ کے لیے مشکل نہیں ہے۔ اس حوالے سے قرآن کی بہت سی آیات ہیں۔

سورۃ الانفال میں ہے کہ جب اللہ کا ذکر کیا جائے تو دل کانپ اٹھتے ہیں اور جب کلام پڑھا جاتا ہے تو ایمان بڑھتا ہوا محسوس ہوتا ہے۔ سورہ المائدہ میں ہے کہ جب وہ کلام سنتے ہیں تو ان کی آنکھوں میں آنسو آجاتے ہیں۔ سورہ الزمر میں ہے کہ جب کتاب پڑھی جاتی ہے تو جسم کے رونگٹے کھڑے ہوجاتے ہیں، کھالیں نرم پڑجاتی ہیں۔ سورہ بنی اسرائیل میں ہے کہ لوگ جب اس کو پڑھتے ہیں تو روتے ہوئے سجدوں میں گر جاتے ہیں، اور ان کے خشوع میں اضافہ ہوجاتا ہے۔ سورۃ مریم میں بھی اس طرح کی آیات ہیں۔ جگہ جگہ اس طرح کے موضوعات ہیں۔ اگر تلاوت سے پہلے ان کو سامنے رکھا جائے اور ایک لمحے کے لیے آدمی یہ ذہن میں تازہ کرلے کہ قرآن کو پڑھنے والے ایسے تھے اور ان کی یہ کیفیت ہوتی تھی تو بہت مفید ہے۔ اگر ایسا نہ ہو سکے پھر بھی ان کیفیات کو اپنے اوپر طاری کرنے کی کچھ کوشش کرنی چاہیے۔ یہ سوچنا چاہیے کہ اگر میں اس راستے پر آگے بڑھوں تو مجھے بھی ایسا کرنا چاہیے۔

۲۔ یہ سوچا جائے کہ اللہ میرے سامنے ہے، اس کے سامنے بیٹھ کر میں قرآن پڑھ رہا ہوں اور یہ اس کی کتاب ہے۔ قرآن مجید میں بار بار یہ حکم بھی آیا ہے کہ اس کے سامنے کھڑے ہو کر بار بار تلاوت کرو۔ جس طرح بچہ استاد کے سامنے جو نگرانی کر رہا ہو، کھڑے ہو کر پڑھتا ہے تو اور ہی کیفیت ہوتی ہے اور تنہائی میں پڑھتا ہے تو اور کیفیت ہوتی ہے۔ عبادت میں احسان کی منزل بھی یوں ہی حاصل ہوتی ہے۔ کہ آدمی اس طرح بندگی کرے کہ گویا اللہ کے سامنے ہے اور وہ اسے دیکھ رہا ہے۔ لیکن یہ تو اللہ کی کتاب کا معاملہ ہے۔ یہ سب سے بڑی عبادت ہے کہ قرآن مجید کی تلاوت نماز میں کی جائے۔ اس طرح کے بے شمار احکام قرآن میں دیے گئے ہیں اور اللہ کا ذکر تو قرآن میں سب سے بڑھ کر ہے۔

یہ احساس کہ میں اللہ کے سامنے ہوں، مستحضر ہونا چاہیے۔ قرآن کی آیات گواہ ہیں کہ تم کہیں بھی ہو ہم تمہارے ساتھ ہیں۔ "تم ہماری نگاہوں میں ہو۔" (الطور ۵۲: ۴۸) میں ہر بات سن رہا ہوں" "ہم اس کی رگ گردن سے بھی زیادہ اس سے قریب ہیں۔" "اگر دو ہوتے ہیں تو میں تیسرا ہوتا ہوں۔ تین ہوتے ہیں تو میں چوتھا ہوتا ہوں، کم ہوں یا زیادہ میں ساتھ ہوتا ہوں۔ تنہائی میں بیٹھے ہوں یا مجلس میں، یا درس ہو رہا ہو، میں موجود ہوتا ہوں۔ یہاں تک کہ کوئی بھی کام کرتے ہو، قرآن پڑھتے ہو، ہم وہاں موجود ہوتے ہیں۔ یہ چیز ذہن میں اسی طرح تازہ رہنی چاہیے۔

۳۔ ہم یہ سوچیں کہ ہم اس کلام کو اللہ سے سن رہے ہیں، چاہے یہ بہت اونچا درجہ اور مقام ہو۔ امام غزالی احیاء العلوم میں لکھتے ہیں کہ ایک بزرگ نے کہا کہ پہلے میں اس کتاب کو ایسے ہی پڑھتا تھا۔ پھر میں نے سوچا کہ میں اس کو محمد رسول اللہ ﷺ سے سن رہا ہوں، تو میرے مزے اور کیفیت میں اضافہ ہو گیا۔ پھر میں نے سوچا کہ میں تو اس کو جبریل امین سے سن رہا ہوں، تو پھر یہ کیفیت اور دوبالا ہو گئی۔ اس کے بعد میں فرض کیا کہ اللہ تعالیٰ کے سامنے خود موجود ہوں، وہ میرے ساتھ ہی ہیں، وہی مجھے سنا رہے ہیں، وہی اس کتاب کو نازل کر رہے ہیں، اس کے بعد نیا مزا اور لطف، میری کیفیت کا کوئی اندازہ نہ رہا۔ اس کیفیت کی جتنی بھی کوشش کریں کہ حاصل ہو جائے، کم ہے۔

۴۔ یہ احساس ہو کہ جو بھی کہا جا رہا ہے، اس کا ہر لفظ میرے لئے ہے۔ اگر اہلِ ایمان سے خطاب ہو رہا ہے تو بھی، اور اگر منافقین سے ہو رہا ہے یا کافروں سے ہو رہا ہے تو بھی، اور اگر منافقین سے ہو رہا ہے یا کافروں سے ہو رہا ہے تو بھی ہمارے لیے ہے کہ ہم ایسے نہ بنیں۔ گویا ہر لفظ میرے لیے ہے۔ اگر ایک ایک حصے کو کاٹ کر الگ کرنا شروع کر دیا کہ یہ مہاجرین کے لیے ہے میں مہاجرین نہیں ہوں، یہ انصار کے لیے ہے میں تو نہیں ہوں، یہ یہودیوں کے لیے ہے میں تو یہودی نہیں ہوں، تو ساری کتاب کا ستیاناس ہو جائے گا۔ یہ سمجھنا چاہیے کتاب کا ہر لفظ میرے لیے ہے۔

۵۔ کتاب جب آدمی پڑھتا ہے تو اللہ تعالیٰ سے گفتگو اور مکالمہ کرتا ہے۔ ایک حدیث میں اس کی طرف اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: سورۃ الفاتحہ

میرے اور بندے کے درمیان برابر تقسیم ہے۔ جب بندہ کہتا ہے کہ **الحمد اللہ** تو میں کہتا ہوں کہ بندے نے میری حمد بیان کی ہے۔ جب بندہ **الرحمن الرحیم** کہتا ہے تو میں کہتا ہوں کہ بندے نے میری بزرگی بیان کی ہے۔ اس کے بعد جب وہ کہتا ہے کہ **ایاک نعبد وایاک نستعین** اب میرے اور بندے کے درمیان معاہدہ ہو گیا، جو کچھ بھی مانگے گا میں اس کو دوں گا۔ اس کے بعد بندہ کہتا ہے کہ **اھدنا الصراط المستقیم**، اے اللہ تو ہمیں سیدھا راستہ دکھادے۔

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ جب بندہ قرآن مجید پڑھتا ہے تو وہ اللہ تعالیٰ سے کلام کرتا ہے، مکالمہ کرتا ہے اور یہ گفتگو آدمی اور اللہ کے درمیان چلتی رہتی ہے

ظاہری آداب

یہ تو وہ چیزیں ہو گئیں جو اندرونی طور پر دل کو شریک کرنے کے لیے بہت مفید ہو سکتی ہیں۔ تھوڑا تھوڑا جس قدر بھی بس میں ہو، ہم عمل کرنے کی کوشش کریں۔ اس کے بعد کچھ ظاہری افعال بھی ہیں۔

جب کلام پڑھا جاتا ہے اور ہم سنتے ہیں کہ کوئی بات ہم سے کہی جا رہی ہے، کوئی ہم سے مکالمہ کر رہا ہے اور کہہ رہا ہے کہ اے میرے بندے، اے میری بندی اس کو سنو۔ جب ہم سے کہا جا رہا ہے تو پھر اس بات کا جواب بھی دیا جانا چاہیے۔ کوئی گونگا یا بہرا ہو گا تو جواب نہ دے گا، یا اندھا ہو گا جسے دکھائی نہ دے گا۔ قرآن نے خود کہا ہے کہ یہ لوگ اندھوں اور بہروں کی طرح قرآن سے گزر جاتے ہیں، ان پر اس کا کوئی اثر نہیں ہوتا۔ لیکن گوشت پوست کے انسان سے اس کا محبوب، اس کا رب، اس کا مالک کلام کر رہا ہو اور اس کا کوئی جواب اس کی طرف سے نہ ہو۔ یہ بڑی عجیب بات ہے۔

دل کا جواب یہ ہے کہ اس پر وہی کیفیت طاری ہو جائے، جو کیفیت اس کلام کے اندر موجود ہے۔ زبان کا جواب یہ ہے کہ آیات سننے کے بعد ان کا جواب دیا جائے۔ بہت ساری آیات پر تو نبی کریم ﷺ نے خود تعلیم دی ہے کہ جب وہ آیات پڑھی جائیں تو ان کا جواب دیا جائے۔ اگر آیت پڑھی جائے۔ اَلَیْسَ اللّٰہُ بِاَحْکَمِ الْحٰکِمِیْنَ (التین ۹۵:۸) ''کیا اللہ سب حاکموں سے بڑا حاکم نہیں؟'' آدمی کہے : بلیٰ، ''کیوں نہیں'' فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ (الرحمٰن 15:55) سنے تو بھی جواب دینے کی تعلیم دی گئی ہے۔ اس طرح کی اور بہت ساری آیات ہیں۔

یہ پہلو تو آیات کا جواب دینے کا ہے۔

لیکن جن صحابہؓ نے رات کی نماز میں نبی کریم ﷺ کے ساتھ شرکت کی ہے وہ بیان کرتے ہیں کہ آپ ﷺ کی تلاوت قرآن کا انداز یہ تھا کہ اگر کہیں اللہ تعالیٰ کی صفات کا ذکر آتا تو آپ ﷺ سبحان اللہ کہتے، کہیں اللہ تعالیٰ کے انعامات کا ذکر آتا تو الحمد اللہ فرماتے، کہیں اس کی نعمتوں کا ذکر آتا تو آپ ﷺ رک کر اس کا سوال فرماتے، اور اس کو مانگتے اور کہیں اس کے عذاب کا ذکر آتا تو آپ ﷺ اس پر پناہ مانگتے آپ ﷺ ہر چیز کا فوراً جواب زبان سے دیا کرتے۔

تلاوت آیات پر آنکھیں بھی جواب دیتی ہیں۔ اس کلام کی عظمت کا احساس ہو تو دل نرم پڑنے چاہئیں، اور دل نرم پڑیں تو آنکھوں میں نمی آنی چاہیے۔ اس لیے حدیث ہے کہ قرآن پڑھو تو روؤ، رو نہ سکو تو رونے کی کوشش کرو اور اگر ہو سکے تو اس کیفیت کو طاری کرو۔

قرآن کا ادب اور تعظیم ضروری ہے، اس میں قبلہ رو بیٹھنا، وضو کرنا، سر جھکا کر پڑھنا، یہ سب باتیں شامل ہیں۔ لیکن اس ادب کو اس حد تک نہ بڑھایا جائے کہ تلاوت کو ہی ترک کر دے مثلاً یہ کہ وضو نہیں ہے اور بغیر وضو کے تلاوت نہیں ہو سکتی۔

تلاوت کے بہت سارے مدارج ہیں۔

ایک درجہ ترتیل ہے جس کا قرآن نے خود حکم دیا ہے وَرَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِیْلًا (المزمل ۷۳:۴) ''اور قرآن کو خوب ٹھہر ٹھہر کر پڑھو'' مطلب یہ ہے کہ خوب سمجھ کر پڑھے، جذب کر کے پڑھے، اچھی طرح پڑھے، لحن کے ساتھ پڑھے اور ذوق اور شوق کے ساتھ پڑھے۔ ترتیل کا اردو یا انگریزی میں ترجمہ نہیں ہو سکتا۔ ترتیل میں یہ سب مفہوم شامل ہیں۔

پاکیزگی بھی ضروری ہے۔ اس کے لیے ہمارے ہاں دینی لفظ طہارت ہے۔ طہارت کے ایک معنی ظاہری طہارت کے ہیں جو فقہ کے احکام سے حاصل ہوتی ہے۔ اس کے دوسرے معنی باطنی طہارت کے ہیں۔ باطنی طہارت یہ ہے کہ دل ان چیزوں سے پاک ہو جو اللہ کو ناپسند ہیں۔ اخلاق ان چیزوں سے پاک ہوں جنہیں اللہ نے ناپسند فرمایا ہے۔ زبان اُن چیزوں سے پاک ہو جو اللہ کو ناپسند ہیں۔ مال ان چیزوں سے پاک ہو جن سے اللہ نے منع فرمایا اور حرام ٹھہرایا ہے۔ غذا اس لقمے سے پاک ہو جو اللہ کے نزدیک ناپاک ہے۔ یہ بھی پاکیزگی کے معنی ہیں اور جب تک یہ نہ ہو قرآن اپنے دروازے نہیں کھولتا۔

اللہ سے تعلق بھی بہت ضروری ہے۔ سب کچھ اس کے ہاتھ میں ہے اور احادیث کے اندر بے شمار دعاؤں کی تعلیم دی گئی ہے۔ ان سب دعاؤں کو آپ کتابوں سے حاصل کر سکتے ہیں۔ ان کو یاد کر سکتے

ہیں اوران کو پڑھنے کا اہتمام کرسکتے ہیں۔

قرآن کو سمجھنا بھی اہم ہے۔ یہ آپ نہ سمجھیں کہ سمجھے بغیر قرآن کا فائدہ حاصل نہ ہوگا۔ ہوگا تو سہی لیکن پورا فائدہ حاصل نہیں ہوتا۔ لیکن صرف سمجھنا اور علم ہی کافی نہیں ہے اس لیے کہ بے شمار لوگ ہیں جو بغیر سمجھے بھی قرآن سے بہت کچھ حاصل کر لیتے ہیں اور بہت سارے لوگ بہت کچھ سمجھنے اور علم حاصل کرنے کے باجود اس سے کچھ حاصل نہیں کر پاتے۔

آپ نے شاید اپنے گھروں میں یا محلوں کے اندر دیکھا ہو کہ ایسے لوگ جو قرآن کا ایک حرف اور معنی نہیں جانتے وہ کتاب کھول کر بیٹھ جاتے ہیں اور زاروقطار روتے ہیں اور پڑھتے ہیں اور پڑھتے چلے جاتے ہیں اور وہ جو اس کی لغت اور معانی اور تفسیر کے امام ہوتے ہیں وہ عرب جو اس کی زبان سے پوری طرح واقف ہوتے ہیں، وہ ملحد اور بے دین بھی ہوتے ہیں اس لیے صرف زبان کا جاننا اور سمجھ لینا کافی نہیں ہے۔ ظاہر ہے اس کے لیے ایمان اور بہت ساری چیزیں ضروری ہیں۔

میں نے تو اندھوں کو بھی دیکھا ہے کہ بے چارہ پڑھنا نہیں جانتا لیکن لائنوں پر انگلی پھیرتا جاتا ہے اور آنکھوں سے آنسو جاری ہوتے ہیں۔ یہ اللہ کا کلام ہے، دوسرے کلاموں کی طرح کا کلام نہیں ہے اور نہ دوسری کتابوں کی طرح کی ہی کتاب ہے۔ البتہ سمجھنا بھی ضروری ہے۔ ہر مسلمان پر فرض ہے کہ خود قرآن کو سمجھے اور معنی معلوم کرے اور پھر اس سے آگے بڑھے۔

تلاوت کی مقدار

تلاوت پر گفتگو میں یہ پہلو بھی آتا ہے کہ کتنی کثرت کے ساتھ پڑھے۔

یہ بات تو معلوم ہے کہ قرآن سارے انسانوں کے لیے آیا ہے، کمزوروں کے لیے بھی، قوی اور ضعیف کے لیے بھی، بوڑھوں کے لیے بھی، مردوں اور عورتوں کے لیے بھی۔ سب کے حالات مختلف ہوتے ہیں۔ اگر قرآن کہہ دیتا کہ نہیں اتنا پڑھنا ضروری ہے، تو پھر بڑی مشکل ہو جاتی، لہٰذا جتنا قرآن پڑھنا ضروری اور فرض ہے اس کے لیے اس نے نمازیں فرض کر دیں۔ پانچ نمازوں میں قرأت ہو جاتی ہے اور قرآن پڑھ لیا جاتا ہے۔ باقی اُس نے کہہ دیا ہے کہ **فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ** ط (المزمل ۷۳:۲۰) ''اب جتنا قرآن آسانی سے پڑھ سکتے ہو، پڑھ لیا کرو۔''

آپ جانتے ہیں کہ پہلے رات کی نماز فرض تھی۔ آدھی رات کو، اس سے کچھ زیادہ، اس سے کچھ کم لوگ کھڑے رہا کرتے تھے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہاں، ہم کو معلوم ہے کہ تم میں مریض بھی ہوں گے، لوگ تلاش معاش میں بھی سرگرم عمل ہوں گے اور بعض راہِ حق میں جہاد کے لیے بھی مصروف ہوں گے۔ اس لیے ان سب کی وجہ سے کہہ دیا کہ اس میں سے جو بھی آسانی کے ساتھ پڑھ سکو پڑھو۔ نماز قائم کرو، زکوٰۃ دو، اللہ کی راہ میں خرچ کرو۔

کتنا پڑھا جائے اس کا کوئی معیار نہیں۔ اس لیے کہ مختلف لوگوں کے مختلف طریقے رہے ہیں۔ بعض لوگ ایک ماہ میں ایک قرآن ختم کرتے تھے، اسی کے حساب سے پارے بنائے گئے۔ بعض لوگ ایک ہفتے میں قرآن ختم کرتے تھے، اسی کے حساب سے قرآن کی سات منازل ہیں۔ بعض لوگ صرف نمازوں میں پڑھتے تھے، اس لحاظ سے اس کے رکوع بن گئے۔ اس کی کوئی مقدار طے نہیں ہو سکتی کہ کتنا پڑھیں۔

کس وقت پڑھیں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ جس وقت بھی ہو سکے پڑھیں، ''رات کی گھڑیوں میں بھی، دن کی گھڑیوں میں بھی''۔ جو وقت بھی میسر آجائے۔ کچھ لوگ اپنی جیب میں بھی قرآن کے مصحف رکھتے ہیں کہ جہاں موقع مل جائے پڑھ لیتے ہیں۔ اگر یاد ہو تو راستہ چلتے ہوئے بھی قرآن پڑھا جاسکتا ہے، سواری میں سوار ہو کر بھی پڑھا جاسکتا ہے۔ اسی طرح سوتے ہوئے یا سونے کے بعد اُٹھ کر بھی پڑھا جاسکتا ہے۔ بہت سارے مواقع ہوتے ہیں، لیکن یہ بات قرآن نے خود کہی کہ اس کے لیے پڑھنے کا سب سے بہتر وقت سحر کا وقت ہے کہ **اِنَّ نَاشِئَةَ الَّيْلِ هِيَ اَشَدُّ وَطْاً وَّاَقْوَمُ قِيْلًا** ۝ (المزمل ۷۳:۶) ''درحقیقت رات کا اٹھنا نفس پر قابو پانے کے لیے بہت کارگر اور قرآن ٹھیک پڑھنے کے لیے زیادہ موزوں ہے۔'' اور ویسے بھی فرمایا گیا ہے کہ **اِنَّ قُرْاٰنَ الْفَجْرِ كَانَ مَشْهُوْدًا** ۝ قرآن فجر میں پڑھا جاتا ہے تو فرشتے اس میں حاضر ہوتے ہیں اور نبی کریم ﷺ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ فجر کی نماز میں طویل رکعتیں پڑھا کرتے تھے، کم سے کم ۵۰ آیات۔

ضرورت اس بات کی ہے کہ قرآن خواہ کثرت کے ساتھ پڑھا جائے، یا کم پڑھا جائے لیکن کوئی دن ایسا نہ ہونا چاہیے جو تلاوت کے بغیر گزرے۔ قرآن سے مستقل تعلق قائم کرنے کی ضرورت ہے۔ نماز کے باہر، بہت تھوڑا پڑھے لیکن باقاعدگی کے ساتھ پڑھے۔ تھوڑا عمل جو باقاعدگی کے ساتھ ہو، وہ اللہ کو زیادہ مرغوب اور پسند ہے۔

اللہ مجھے، آپ کو، ہم سب کو صحیح معنوں میں قرآن کی تلاوت کرنے، اس پر عمل کرنے اور اس کی طرف دعوت دینے والا بنادے۔ آمین! ۞

قرآن کی عظمت واہمیت

زاہد ملک

☆ تخلیقِ کائنات کے ابتدائی مرحلے سے لے کر انسان کی پیدائش تک، اللہ تعالیٰ نے زمین وآسمان میں جو کچھ پیدا کیا، وہ انسان کی فلاح و بہبود اور نفع رسانی کے لیے پیدا کیا، پھر انسان کو بے شمار ظاہری اور باطنی، جسمانی اور روحانی نعمتیں عطا کیں، لیکن ان تمام نعمتوں میں سب سے بڑی نعمت اور سب سے بڑا انعام واکرام رشد وہدایت کا وہ نظام ہے جو رسولوں کی بعثت اور آسمانی صحیفوں کے ذریعے قائم کیا۔ کیوں کہ اگر پیغمبروں اور آسمانی صحیفوں کے ذریعے انسانوں کی ہدایت اور اصلاح کا انتظام نہ کیا جاتا تو یہی انسان جو آج اشرف المخلوقات کہلاتا ہے، حیوانوں سے بھی بدتر اور گم کردہ راہ ہوتا۔ چنانچہ جن لوگوں نے خُدا کے پیغام کو سننے سے انکار کیا، اس کے رسولوں کی دعوت سے منہ موڑا اور اللہ کی بھیجی ہوئی ہدایت سے رُو گردانی کی، قرآن انکو جانوروں اور چوپایوں سے بدتر قرار دیتا ہے۔

أُولَٰئِكَ كَالْأَنْعَامِ بَلْ هُمْ أَضَلُّ ط

"یہ لوگ (منکرین ہدایت) چوپایوں کی طرح ہیں، بلکہ ان سے بھی بدتر" (الاعراف ۱۷۹)

جب اللہ تعالیٰ کو یہ مقصود ہوا کہ نبیوں اور رسولوں کا سلسلہ ختم کرے، کائنات کی راہ نمائی اور فلاح و سعادت کے لیے ایک ایسا صحیفہ نازل کرے جو رہتی دنیا تک رشد وہدایت کا فرض انجام دیتا رہے جو ابد تک کے لیے روشنی کا مینار ہو، جس سے آنے والی قومیں رہ نمائی حاصل کرتی رہیں۔ جس کا پیغام اور جس کی راہنمائی قوم، وطن، جغرافیہ، حتیٰ کہ زمان ومکان کی قیود سے ماورا ہو، تو اس نے اپنے آخری نبی حضرت محمد ﷺ پر دین و دنیا کی فلاح و سعادت اور رشد وہدایات کا ایک جامع اور کامل ترین دستور نازل کیا۔ جس طرح اللہ تعالیٰ نے جناب محمد مصطفیٰ ﷺ کو تمام انبیاء کے علمی اور عملی کمالات، اور فضائل ومحاسن کا مجموعہ بنایا اور کمالات نبوت کو آپ ﷺ کی ذات پر ختم کر کے "خاتم الانبیاء" کے منصب پر فائز کیا، اسی طرح آپ ﷺ پر نازل ہونے والے اس دستورِ ہدایت اور آئین فلاح وسعادت کو تمام پچھلی آسمانی کتابوں اور الٰہی علوم و معارف کا خلاصہ، لُبِّ لباب، اور گنج گراں مایہ بنایا۔

"بلاشبہ یہ قرآن سب سے سیدھے راستے کی نشان دہی کرتا ہے۔"

نبی کریم علیہ السلام سے پہلے جتنے نبی اور رسول آئے، سب اپنی اپنی قوموں کی اصلاح کے لئے آئے، ان کی نبوت اور رسالت کسی خاص قوم اور خاص علاقے تک محدود تھی، ان کو جو آسمانی صحیفے دیے گئے وہ بھی مخصوص اور محدود علوم کے حامل تھے۔ ان میں یہ استعداد اور صلاحیت ہرگز نہ تھی کہ وہ مشرق ومغرب اور شمالی وجنوب کی وسعتوں میں بسنے والی مختلف نسلوں اور قوموں کو ایک مرکز پر جمع کرسکیں، ان صحیفوں کا پیغام زمان ومکان کی حدوں سے ماورا نہ تھا، ان صحیفوں کے ذریعے ممکن نہ تھا کہ مختلف عقیدے رکھنے والی قوموں، مختلف زبانیں بولنے والے قبیلوں اور نوع بنوع بلکہ متضاد رسم ورواج کے حامل لوگوں کو ایک عقیدے اور ایک مسلک کا قائل کیا جائے۔ مگر جناب محمد ﷺ کو تمام عالم کے لیے اور قیامت تک کے لیے رسول بنا کر بھیجا گیا، آپ ﷺ کی ذات، گرامی پر فہرست انبیاء ختم کردی گئی اور آپ ﷺ کی ذاتِ گرامی کو عالم گیر اور دائمی نمونہ عمل کا مقام عطا کیا گیا، اس لیے آپ ﷺ پر اتاری جانے والی کتاب کو بھی اسی شان اور بلند مرتبہ سے نوازا گیا۔ اس میں تمام الٰہی علوم کو جمع کیا گیا، اسکو ایک جامع اور ابدی دستورِ حیات کی حیثیت دی گئی تا کہ ہر دور اور ہر علاقے کے لوگ، ہر زمانے میں اس کے ذریعہ دین و دنیا کی فلاح اور سعادتیں حاصل کرتے رہیں۔ افرادِ انسانی اپنے ظاہری اور باطنی اعمال کی اصلاح کرتے رہیں اور انسانیت اس پر عمل پیرا ہو کر اخلاق و کردار کی بلندیوں کو چھو سکے۔

اس میں انفرادی مشکلات ومصائب کا حل بھی ہے اور اجتماعی مسائل کا بھی، کوئی پہلو ایسا نہیں، چاہے وہ معاش واقتصاد سے متعلق ہو یا اصلاح معاشرہ سے، یا اس کا تعلق امور مملکت سے ہو جس کے لیے اس کتاب ہدایت (قرآن) میں کامل راہنمائی موجود نہ ہو۔

مشہور اور بلند پایہ مفسر قرآن امام فخر الدین رازیؒ کہتے ہیں کہ: "تمام آسمانی صحیفوں کا خلاصہ اور نچوڑ قرآن کریم ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن حکیم پر ایمان لانا، تمام آسمانی صحیفوں پر ایمان لانے کے مترادف ہے، اور قرآن کا انکار تمام الہامی کتابوں کا انکار ہے"

اللہ کے اس آخری اور ابدی دستور اور کامل ترین کتاب ہدایت کے بارے میں خود اس کا نازل کرنے والا کیا کہتا ہے؟ اس کا جاننا ضروری ہے۔ متکلم سے بہتر اپنے کلام کی مراد اور مفہوم کون بیان کرسکتا ہے۔ اور اس سے زیادہ جچے تلے انداز میں اس کے رتبے کا تعین کسی دوسرے کے لیے ممکن نہیں۔ اللہ کے کلام پر اللہ کی جو شہادتیں ہمارے سامنے ہیں ہم ان پر جتنا غور کرتے جائیں گے اتنا ہی ہم پر یہ حقیقت واضح ہوتی جائے گی۔ "ہم نے اس کتاب میں کسی چیز کو ادھورا نہیں چھوڑا" (الانعام ۳۸)

اپنی کتاب اور کلام کے بارے میں اللہ کی پہلی شہادت یہ ہے: "یہی کتاب، حقیقت میں کتاب ہے، خدا سے ڈرنے والوں کے لیے ہدایت ہے۔" (البقرۃ ۲:۲)

یعنی یہ ایسی کتاب ہے جو ہر قسم کے شک وشبہ سے بالا ہے۔ یہ تمام آسمانی صحیفوں اور کتابوں کے متفرق و منتشر علوم اور مضامین کی جامع ہے، اسی باعث اس کی پیروی، تمام آسمانی کتابوں اور حکموں کی پیروی ہے۔ کہیں قرآن کے داعی حق وصداقت اور کتاب رشد و ہدایت ہونے کی گواہی ان الفاظ میں دی گئی۔

"تمام خوبیاں اس پروردگار کے لیے ثابت ہیں جس نے اپنے بندے (حضرت محمد ﷺ) پر کتاب نازل فرمائی۔

اس میں ذرہ برابر کجی نہیں رکھی۔ نہایت ہی استقامت اور سیدھے پن کے ساتھ موصوف کیا، تاکہ وہ ایسے سخت عذاب سے ڈرائے جو اللہ کی طرف سے ہوگا۔ اور ان ایمان لانے والوں کے لیے خوش خبری سنائے جو اچھے اچھے کام کرتے ہیں۔" (الکہف:۱۔۲)

کہ ان کے لیے پروردگار کے ہاں بہت ہی نفیس اجر ہے" یعنی اعلیٰ سے اعلیٰ تعریف اور شکر کا مستحق وہی خدا ہو سکتا ہے جس نے اپنے مخصوص اور مقرب ترین بندے حضرت محمد ﷺ پر سب سے کامل اور اعلیٰ کتاب اتاری اور اس کے ذریعے زمین والوں کو سب سے بڑی نعمت سے سرفراز فرمایا۔ بے شک اس کتاب میں کوئی ٹیڑھی ترچھی بات نہیں۔ اس کی عبارت دیکھو تو فصاحت و بلاغت کا مرقع، اندازِ بیان مؤثر اور شگفتہ جو دل کی گہرائیوں میں اتر جائے۔ تعلیم ایسی سادہ اور معتدل جو ہر زمانے اور ہر طبیعت کے مناسب، حکم ایسے جچے تلے کہ عقل سلیم کے مطابق، جن پر عمل کسی کے لیے بھی دشوار نہیں، غرض ہر طرح کی افراط و تفریط سے پاک۔ ایک موقع پر پوری بنی نوع انسان کو خطاب کرتے ہوئے قرآن کا تعارف ان الفاظ میں کراتے ہیں۔

"اے لوگو! تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے نصیحت آئی ہے اور شفا دلوں کے روگ کی اور ہدایت و رحمت ہے مسلمانوں کے لیے" (یونس:۵۷)

یہ سب قرآن کریم کی صفات ہیں۔ قرآن اول سے آخر تک نصیحت ہے، جو لوگوں کی مہلک اور مضر باتوں سے روکتا ہے۔ اللہ کی خوشنودی اور اس تک پہنچنے کا راستہ بتاتا ہے، اپنے ماننے والوں کو دین و دنیا کی رحمتوں کا مستحق گرداتنا ہے۔ مفسرین اور صوفیہ اس آیت کی رُوح یہ قرار دیتے ہیں کہ اس میں نفسِ انسانی کے مراتب کمال کیطرف اشارہ ہے۔ یعنی جو شخص قرآن کے منشاء اور مقتضاد پر عمل کرلے، وہ ان مراتب پر فائز ہو سکتا ہے ایک جگہ اللہ تعالیٰ قرآن کو "نور مبین" سے تعبیر کرتے ہیں، جو شرکت و بدعت کی تاریکی میں روشنی دکھاتا ہے۔

"لوگو! یقیناً تمہارے رب کی طرف سے تمہارے پاس ایک بڑی دلیل آچکی ہے اور ہم نے تمہاری طرف ایک صاف اور واضح نُور نازل کیا ہے۔"

نبی کریم ﷺ کو بُرہان، یعنی دلیل کہا اور یہ حقیقت ہے کہ آپ ﷺ کی ذات اقدس، آپ ﷺ کے اخلاق کریمانہ، آپ ﷺ کے معجزات اور آپ ﷺ پر قرآن کا نزول یہ سب باتیں آپ کی نبوت و رسالت کی روشن دلیلیں ہیں، جنہیں دیکھنے کے بعد کسی اور دلیل کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔ قرآن کو "نور" فرمایا۔ روشنی کا کام لوگوں کو راستہ دکھانا ہوتا ہے۔ اندھیرے میں اگر روشنی کا سامان نہ ہو تو ایک قدم چلنا بھی دشوار ہوجاتا ہے۔ اسی طرح کفر و شرک کی تاریکیاں انسان کو گھیرے ہوئے ہیں۔ ان تاریکیوں اور ظلمتوں سے انسان قرآن ہی کے ذریعے نجات حاصل کرسکتا، اور منزل مقصود تک پہنچ سکتا ہے۔

قرآن کس درجے کی کتاب ہے۔ اس کا کیا مقام ہے۔ شاید انسانوں کی سمجھ میں یہ بات نہ آتی؟ اللہ تعالیٰ قرآن کی عظمت اور بلندی کا بیان ایک واضح مثال کے ذریعے کرتے ہیں۔ "اگر ہم اس قرآن کو کسی پہاڑ پر نازل کرتے تو اے مخاطب! تو دیکھتا کہ وہ پہاڑ خدا کے خوف سے دب جاتا اور ٹکڑے ٹکڑے ہوجاتا، اور ہم یہ مثالیں لوگوں کے لیے اس لیے بیان کرتے ہیں کہ وہ فکر و تأمل سے کام لیں۔"

یعنی قرآن اپنی عظمت و جلال کی وجہ سے ایسی شان رکھتا ہے کہ اگر اس کو کسی پہاڑ پر نازل کیا جاتا، اور اس پہاڑ کو احساس و شعور عطا کیا جاتا تو وہ یقیناً اللہ کے خوف سے ریزہ ریزہ ہوجاتا، لیکن منکروں اور کج رووں کا حال یہ ہے کہ ان کے دل پتھر سے بھی زیادہ سخت ہیں، قرآن سنتے ہیں اور ان کے دلوں پر جُوں تک نہیں رینگتی۔ بار بار یہ مثالیں اسی لیے دی جاتی ہیں کہ لوگ سمجھیں، غور و فکر سے کام لیں اور پھر عمل کریں۔ کیونکہ قرآن صرف اسی صورت میں دین و دنیا کی فلاح کا ضامن ہے جب اس کو سمجھا جائے اور سمجھ کر اس کے مقتضا اور منشاء پر عمل کیا جائے۔ آپ دیکھیں گے کہ قرآن نے ایمان اور حُسنِ عقیدہ کے بعد سب سے زیادہ زور جس بات پر دیا ہے وہ نیک عمل ہے۔

قرآن کریم کے بارے میں حاملِ قرآن حضرت محمد ﷺ کا یہ تبصرہ یقیناً ایک بسیط اور جامع تبصرہ ہے۔ آپ ﷺ فرماتے ہیں:

"اللہ ہی کی کتاب، کتاب ہدایت ہے۔ اس میں اُن لوگوں کے حالات بھی ہیں جو تم سے پہلے گذر چکے اور ان لوگوں کے واقعات کا بھی ذکر ہے جو تمہارے بعد آنے والے ہیں، یہ کتاب الٰہی قانون محکم ہے۔ تمہارے مابین پیش آنے والے جھگڑوں کا فیصلہ اس میں موجود ہے۔ یہ کوئی بے مقصد اور فضول دستاویز نہیں، جو شخص تکبر اور کج روی کے سبب اس کے چھوڑ دے گا، اللہ تعالیٰ اس کو ٹکڑے ٹکڑے کردے گا۔ جو شخص اس کے سوا کسی اور جگہ سے ہدایت تلاش کرے، اللہ تعالیٰ اس کو گمراہ کردے گا، یہ کتاب اللہ کی مضبوط رسی ہے۔ یہ اللہ کا محکم ذکر و بیان ہے یہی سیدھا راستہ ہے۔"

قرآن، اللہ کی ایسی ہدایت ہے کہ لوگوں کی خواہشات اس کو ٹیڑھا نہیں کرسکتیں، اس کی پیروی کرنے والے بے راہ رو نہیں ہوسکتے۔ لوگوں کی زبانیں اس کو غلط ملط نہیں کرسکتی کہ اسکے ذریعے حق و باطل میں فرق و امتیاز نہ کیا جاسکے۔ یا یہ کہ زبانیں قرآن کے تلفظ میں ملتبس نہیں ہوسکتیں، جو زبان قرآن کا صحیح تلفظ کررہی ہے وہ حق ہے۔

قرآن ایسا کلام ہے جس سے علماء کبھی سیر نہیں ہوسکتے، بار بار پڑھنے سے وہ پرانا اور بوسیدہ نہیں ہوتا، بلکہ ہر بار جب اس کی تلاوت کی جائے گی تو قاری زیادہ لطف اور حلاوت محسوس کریگا اس کے علوم، اور حقائق ومعارف کبھی ختم نہ ہوں گے۔

قرآن، اللہ کا ایسا کلام ہے کہ جنات نے سنا تو صبر نہ کرسکے اور بول اٹھے کہ یہ کیا ہی عجیب و غریب کلام ہے، اس کے مضامین کی فصاحت و بلاغت، گہرائی اور گیرائی دنیا کو حیرت و استعجاب میں ڈال دیتی ہے۔

جس نے قرآن کا کوئی لفظ یا فقرہ بولا، اس نے سچ بولا، جس نے قرآن کے مطابق فیصلہ کیا، اس نے عدل و انصاف کیا۔ جس نے لوگوں کو اس کی طرف دعوت دی، اس نے حق و راستی کی طرف دعوت دی۔ بلاشبہ قرآن، دین و دنیا کی تمام سعادتوں کا ضامن ہے، کامل ترین ضابطہ ہدایت اور دستور حیات ہے اس کتاب مبین نے

انسان کے لیے سعادت دارین کی تمام راہیں کھول دیں۔ تہذیب اخلاق، تدبیر منزل اور سیاست مملکت کے تمام علوم سے آگاہ کر دیا۔ اور بتادیا کہ جو قرآن پر عمل کرے گا وہی ابدی سعادت سے ہمکنار ہوگا اور جو قومیں اس کے بتائے ہوئے راستے پر چلیں گی وہی غالب و برتر ہوں گی۔

لفظ قرآن کے معنی

اس جامع اور کامل ترین دستور ہدایت کو جس مخصوص نام سے پکارا گیا وہ قرآن ہے یوں کہنا چاہیے کہ کتاب اللہ کے پچاس سے زائد ناموں میں قرآن کو مرکزی حیثیت حاصل ہے۔ لفظ قرآن کے کیا معنی ہیں۔ یہ اسم مشتق ہے، یا اسم علم غیر مشتق، اس بارے میں علماء، ماہرین لغت اور مفسرین کے مختلف اقوال ہیں۔

"امام شافعیؒ کہتے ہیں کہ قرآن علم غیر مشتق ہے، جس طرح توریت، زبور اور انجیل، علم غیر مشتق ہیں اور ان آسمانی صحیفوں کے نام ہیں جو حضرت موسیٰؑ، حضرت داؤدؑ اور حضرت عیسیٰؑ پر نازل ہوئے۔" اسی طرح قرآن اللہ کے اس کلام کا نام ہے جو اس کے آخری نبی حضرت محمد ﷺ پر نازل ہوا۔ اس صورت میں یہ لفظ غیر مہموز پڑھا جائے گا۔

بعض آئمہ لغت اور مفسرین کہتے ہیں کہ: قرآن مشتق ہے۔ بعض قَـرْن " سے مشتق مانتے ہیں، جس کے معنی ہیں ایک چیز کو دوسری چیز کے ساتھ ملانے کے، کہا جاتا ہے قَرَنْتُ الشیءَ بالشیءِ میں نے ایک چیز کو دوسری چیز کے ساتھ ملا دیا۔ قرآن میں بھی آیتیں، رکوع اور سورتیں ایک دوسرے کے ساتھ ملی ہوئی ہیں۔ اس لیے قرآن کو قرآن کہا جانے لگا۔

مشتق ماننے کی صورت میں ایک جماعت کہتی ہے کہ: قرآن قَرْء " سے مشتق ہے۔ جس کے معنی جمع کرنے کے ہیں۔ کہا جاتا ہے قَـرَیَ الـمـاءَ فـی الـحـوض (حوض میں پانی جمع کیا) اس صورت میں قرآن، فعلان کے وزن پر صفت کے صیغہ ہوگا۔

بعض ماہرین لغت کہتے ہیں کہ: قرآن، غفران کی طرح مصدر ہے جس کا مادہ قرأت ہے بمعنی پڑھنا، اور یہ بات خاصی معروف ہے کہ مصدر مفعول کے معنٰی میں استعمال ہوتا ہے۔ اس طرح اس کے معنی ہوں گے۔ پڑھا گیا، جو بہت پڑھا جائے، جس کی کثرت سے تلاوت کی جائے۔ قرآن اسی معنٰی کی تائید کرتا ہے۔

"یعنی اس کا جمع کرانا اور پڑھانا، ہمارے ذمہ ہے۔" (سورۃ القیمۃ: ۱۷)

قرآن کا اصلاحی مفہوم

گذشتہ سطور سے یہ معلوم ہوا کہ "قرآن" کے لغوی معنی کیا ہیں؟ لیکن اس سے زیادہ یہ جاننا ضروری ہے کہ قرآن کا اصطلاحی مفہوم کیا ہے اور شریعت کی زبان میں قرآن کسے کہتے ہیں؟

امام بیہقی کتاب الاعتقاد میں کہتے ہیں:

"قرآن" اللہ کا کلام ہے اور اللہ کا کلام، اللہ کی ذاتی صفات میں سے ایک صفت ہے۔ جس طرح اللہ کی صفات میں سے کوئی صفت نہ مخلوق ہے اور نہ حادث اسی طرح اس کی صفت کلام بھی قدیم ہے۔"

جس جگہ بھی کلام خداوندی کا ذکر آیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی نسبت اپنی طرف کی ہے اور اپنے آپ کو اس کا متکلم فرمایا ہے۔ تاکہ یہ بات اچھی طرح واضح ہو جائے کہ جس طرح اللہ تعالیٰ صفتِ قدرت کے ساتھ متصف ہونے کی بنا پر قدیر ہے۔ اسی طرح صفتِ تکلم کے ساتھ متصف ہونے کی بنا پر متکلم بھی ہے۔ ارشاد ہے:

"کسی انسان کے لیے یہ ناممکن ہے کہ وہ (براہِ راست) اللہ سے کلام فرمائے، مگر اس صورت میں کہ وحی کے ذریعہ ہو، یا از پس پردہ یا کسی قاصد (فرشتے) کے ذریعے، یا قاصد اللہ کا پیغام، اللہ کے حکم سے پہنچا دے، جو بھی پیغام اللہ بھیجنا چاہے۔" (الشوریٰ: ۵)

اصولیین نے کتاب اللہ (قرآن) کی تعریف ان الفاظ میں کی ہے:

قرآن کریم وہ کلامِ الٰہی ہے جو رسول اللہ ﷺ پر نازل کیا گیا، مصاحف میں لکھا ہوا ہے۔ نقل متواتر کیساتھ آنحضرت ﷺ سے منقول ہے۔ جس میں کسی شبہ کا امکان نہیں، اور وہ نظم یعنی تعبیر اور معنٰی دونوں کا نام ہے۔ امام ابو حنیفہ اور عام علماء کے قول کے مطابق یہی تعریف صحیح ہے

قرآن حکیم کے اصطلاحی مفہوم کے بارے میں یہ بہت مختصر سا عرض کیا ہے۔ ورنہ متکلمین اور محدثین کے ہاں یہ مسئلہ بہت اہم ہے اور اس موضوع پر خاصی طویل اور فنی بحثیں ہیں۔ بہر حال اجمالی طور پر اتنا جان لینا کافی ہے کہ قرآن اللہ کا کلام ہے، نہ مخلوق ہے اور نہ حادث، اللہ کی صفت ہے اور جس طرح اللہ کی دوسری تمام صفتیں قدیم ہیں اسی طرح یہ صفت کلام، یعنی قرآن بھی قدیم ہے

اسمائے قرآن کریم

قرآن کریم، اللہ تعالیٰ کا کلام ہے اور ایسی محکم اور بلند پایہ کتاب ہے، جس کے بارے میں خود قرآن کی یہ شہادت ہے:

"اس پر جھوٹ کا دخل نہ آگے سے ہو سکتا ہے۔ نہ پیچھے سے (اور) دانا (اور) خوبیوں والے (خدا) کی اتاری ہوئی ہے۔" (حم السجدہ: ۴۲)

جس طرح اللہ تعالیٰ کے نام، اس کی صفتوں اور عظمتوں کے عنوان ہیں، اسی طرح اس کے کلام پاک کے بھی متعدد نام ہیں جو اس کی خوبیوں اور خصوصیتوں پر دلالت کرتے ہیں۔

اللہ نے اپنی کتاب کا نام "قرآن" ایسا عجیب اور بے مثال رکھا کہ نہ صرف عرب کے ادیبوں نے کبھی اپنی کسی کتاب اور مجموعے کا یہ نام نہیں رکھا بلکہ تاریخ یہ گواہی دینے سے قاصر ہے کہ اس سے پہلے دنیا میں کسی کتاب کا نام "قرآن" رکھا گیا ہو۔

امام راغب اصفہانی کہتے ہیں: "نہ ہر مجموعے کو قرآن کہتے ہیں، اور نہ ہی ہر شخص کے یا ہر قسم کے کلام کے مجموعے کو قرآن کہا جائیگا۔ بلکہ صرف کلام الٰہی کے مجموعے کو قرآن کہا جائے گا کیوں کہ اس میں پچھلی تمام آسمانی کتابوں اور صحیفوں کے نتائج و ثمرات جمع ہیں یا اسے اس بنا پر قرآن کہا جائے گا کہ یہ جملہ اقسام کے علوم و معارف کا مجموعہ ہے۔"

علماء اور مفسرین نے خود قرآن سے قرآن کریم کے جو نام اخذ کیے ہیں، ان کی تعداد پچپن (۵۵) ہے۔ مناسب ہوگا اگر ان کی تفصیل دے دی جائے اور ہر نام کے ساتھ اس کی وجہ تسمیہ ظاہر کر دی جائے اور یہ بھی بتا دیا جائے کہ یہ نام کس قرآنی آیت سے ماخوذ ہے۔

نام	وجہ تسمیہ	وہ سورۃ اور آیت جس سے یہ نام اخذ کیا گیا
۱۔القرآن	بہت پڑھا جاتا ہے	سورۃ بنی اسرائیل آیت:۹
۲۔القرآن الکریم	بڑی کرامت اور بزرگی والا ہے	سورۃ الواقعہ:۷۷
۳۔القرآن العظیم	عظمت اور بڑی شان رکھتا ہے	سورۃ الحجر:۸۷
۴۔القرآن الحکیم	حکمت اور دانائی کی باتوں سے بھرا ہوا ہے	سورۃ یٰسین:۲
۵۔الفرقان	حق و باطل اور حلال و حرام کے درمیان فرق کرنے والا ہے	سورۃ الفرقان:۱
۶۔السبع المثانی	آیاتِ قرآنی بار بار خصوصاً تلاوت کی جاتی ہیں	سورۃ فاتحہ سورۃ الحجر:۸۷
۷۔الکتاب المبین	حق کو ظاہر کرنے والا ہے	سورۃ الزخرف:۲۰
۸۔الکریم	سرتاپا کرامت ہے	سورۃ الواقعہ:۷۷
۹۔کلام اللہ	اللہ کا کلام	سورۃ التوبہ:۶
۱۰۔نُور	اللہ کا نُور ہے	سورۃ المائدہ:۱۵
۱۱۔ہدًی وّرحمۃ	رحمت و ہدایت ہے	سورۃ یونس:۵۷
۱۲۔شفاء	روحانی شفا ہے	سورۃ یونس:۵۷
۱۳۔موعظۃ	نصیحت ہے	سورۃ یونس:۵۷
۱۴۔ذکر	ذکر و نصیحت ہے	سورۃ الانبیاء:۵۰
۱۵۔مبارک	برکت والا ہے	سورۃ الانبیاء:۵۰
۱۶۔علیّ	بلند ہے، عظمت والا ہے	سورۃ الزخرف:۴
۱۷۔حکمت	سرتاپا حکمت و دانائی ہے	سورۃ القمر:۵
۱۸۔الحکیم	سراپا حکمت والا ہے	سورۃ یونس:۱
۱۹۔مھیمن	نگہبان و گواہ ہے، تمام عالم کے لیے برکت ہے	سورۃ المائدہ:۴۸
۲۰۔صراط مستقیم	کائنات کے لیے سیدھا راستہ ہے	سورۃ الانعام:۱۵۳
۲۱۔قیّم	اس کی ہر ہدایت اور تعلیم عالم کی نگران و محافظ ہے	سورۃ الکہف:۱،۲
۲۲۔قول فیصل	اس کی ہر بات محکم اور اٹل ہے	سورۃ الاعلیٰ:۱۳،۱۴
۲۳۔نبأٌ عظیم	اس کی ہر خبر اہم ہے	سورۃ صٓ:۶۷
۲۴۔احسن الحدیث	بہترین باتوں پر مشتمل ہے	سورۃ الزمر:۲۳
۲۵۔متشابہ	اسے بار بار دہرایا گیا ہے	سورۃ الزمر:۲۳
۲۶۔تنزیل	آسمان سے اتارا گیا	سورۃ الشعراء:۱۹۲
۲۷۔روح	قلب انسانی کے لیے حیات ہے، روح ہے	سورۃ الشوریٰ:۵۲
۲۸۔وحی	وحی الٰہی ہے	سورۃ الانبیاء:۴۵
۲۹۔عربیّ	عربی زبان میں ہے	سورۃ یوسف:۲
۳۰۔بصائر	عبرت و بصیرت کا مجموعہ ہے	سورۃ الجاثیہ:۲۰
۳۱۔بیان	اس کی ہر تعلیم واضح ہے	سورۃ آل عمران:۱۳۸
۳۲۔العلم	علم و معرفت کا خزینہ ہے	سورۃ البقرہ:۱۲۰
۳۳۔الحق	سراسر حق و راستی ہے	سورۃ یونس:۱۰۸
۳۴۔ہادی	عالم کے لیے رہنما ہے	سورۃ بنی اسرائیل:۹
۳۵۔عجب	اس کے علوم و معارف دنیا کو حیرت و تعجب میں ڈالنے والے ہیں	سورۃ الجن:۱
۳۶۔تبصرہ	لوگوں کے لیے بصیرت ہے	سورۃ قٓ:۸
۳۷۔ذکرٰی	ذکر و فکر کا سامان ہے	سورۃ قٓ:۸
۳۸۔العروۃ الوثقٰی	ہدایت اور عمل کیلئے مضبوط حلقہ ہے۔	سورۃ البقرۃ:۲۵۶
۳۹۔صِدق	سچائی ہے	سورۃ الحجرات:۳۳
۴۰۔عدل	عدل و انصاف ہے	سورۃ الانعام:۱۱۵
۴۱۔اَمر	حکم الٰہی ہے	سورۃ الطلاق:۵
۴۲۔منادی	حق کا اعلان کرنے والا ہے	سورۃ آل عمران:۱۹۳
۴۳۔ہدی وّ بُشرٰی	اہلِ ایمان کے لیے ہدایت اور بشارت ہے	سورۃ البقرۃ:۹۷
۴۴۔مجید	بزرگی والا ہے	سورۃ البروج:۲۲
۴۵۔زبور	علوم و ہدایت اس میں جمع کردیے گئے ہیں	سورۃ الانبیاء:۱۰۵
۴۶۔بشیر	مؤمنوں کو اجر و ثواب کی خوشخبری سنانے والے ہیں	سورۃ البقرۃ:۱۱۹
۴۷۔نذیر	کافروں کو اللہ کے عذاب ڈرانے والا ہے	سورۃ البقرۃ:۱۱۹
۴۸۔عزیز	غالب ہے، عزت والا ہے	سورۃ حٰمٓ السجدۃ:۴۱
۴۹۔بلاغ	ایسا پیغام جو ہر ایک تک پہنچادیا گیا	سورۃ ابراہیم:۵۲
۵۰۔قصص	پچھلی اُمتوں کے واقعات اس مذکورہ ہیں	سورۃ البقرۃ:۲۶
۵۱۔صحف مکرمۃ	جن اوراق پر لکھا جاتا ہے اُن کی کی عزت کی جاتی ہے	سورۃ العبس:۱۳
۵۲۔مرفوعۃ	اور اسکو سروں پر اٹھایا جاتا ہے	سورۃ العبس:۱۴
۵۳۔مطہرۃ	پاکیزہ ہے	سورۃ العبس:۱۴
۵۴۔الکتاب	صحیح معنٰی میں کتاب کہلانے کی مستحق یہی کتاب (قرآن) ہے	سورۃ البقرۃ:۲

علامہ جلال الدین سیوطیؒ نے پچپن ناموں کا ذکر کیا ہے۔ لیکن اوپر ہم نے جو فہرست دی ہے وہ ۵۴ نام ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ "بُشریٰ" کو انہوں نے الگ بھی ایک نام شمار کیا ہے۔ حالانکہ بُشریٰ دو مرتبہ آیا ہے۔ ایک بار بُشریٰ ورحمۃ اور ایک بار ہُدیٰ و بشریٰ۔ بہرحال ۵۴ اور ۵۵ میں کوئی خاص فرق نہیں ہے۔

نزولِ قرآنِ کریم

نزولِ قرآن کا مفہوم اس لحاظ سے بہت اہمیت کا حامل ہے کہ قرآن پر ایمان لانے اور اس بات پر یقین واعتماد کی بنیاد ہے کہ یہی وہ اللہ کا آخری کلام ہے جو اس نے اپنے آخری نبی حضرت محمد ﷺ پر نازل کیا۔ جب تک ایک شخص صحیح طور پر نزولِ قرآن کا مفہوم نہیں سمجھے گا، اس کے لیے یہ ممکن نہیں کہ وہ اللہ کی الوہیت، قرآن کے کلام الٰہی اور نبی کریم کے نبی برحق ہونے کا ادراک کر سکے اور اس پر اذعان و یقین کر سکے۔

لغت کے اعتبار سے "نزول" کے معنی اُترنے کے ہیں۔ اور انزال کے معنی اتارنے کے نزول کے معنی میں تھوڑی سی تخصیص ہے۔ وہ یہ کہ "صعود" کے مقابل آتا ہے، صعود کے معنی ہیں نیچے سے اوپر چڑھنا، جانا، اس بنا پر نزول کے معنی ہوں گے اوپر سے نیچے کی طرف اُترنا، آنا، سورۃ الاسراء میں دونوں لفظ یعنی نزول اور انزال، انہی مذکورہ معنوں میں استعمال ہوئے ہیں:

"ہم نے حق کے ساتھ قرآن کو اتارا اور وہ حق ہی کے ساتھ اترا"(الاسراء:۱۰۵)

نزول سے پہلے قرآن لوح محفوظ میں تھا جیسے کہا گیا:

"(یہ کتاب ہزل و بطلان نہیں) بلکہ قرآن عظیم الشان ہے۔ لوح محفوظ میں (رکھا ہوا)۔"

اللہ کا کلام لوح محفوظ میں کیسے تھا، وہاں سے کس طرح آسمان سے دنیا پر اتارا گیا اور پھر تھوڑا تھوڑا حضور ﷺ پر کیسے نازل ہوا؟ ان سب باتوں کی حقیقت تو اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔ ہمیں صرف اس حد تک معلوم ہے جتنا اللہ نے خود، یا اپنے نبی ﷺ کی زبانی ہم کو بتا دیا۔

لوح محفوظ سے قرآن سب سے پہلے آسمان دُنیا پر شب قدر میں اتارا گیا۔ ارشاد ہے: اِنَّا اَنۡزَلۡنٰهُ فِیۡ لَیۡلَةِ الۡقَدۡرِ ٥ اِنَّا اَنۡزَلۡنٰهُ فِیۡ لَیۡلَةٍ مُّبٰرَكَةٍ لیلۂ مبارکہ سے بھی لیلۃ القدر ہی مراد ہے۔ لیلۃ القدر میں جس جگہ پورا قرآن نازل کر کے محفوظ کیا گیا، اس جگہ کا نام "بیت العزۃ" ہے۔ اس کے بعد "بیت العزۃ" سے تھوڑا تھوڑا حضور ﷺ پر نازل ہوتا رہا۔ کبھی دو دو، چار چار آیتیں، کبھی ایک ایک، دو دو رکوع، اور کبھی پوری سورۃ۔ ضرورت اور حکمت و مصلحت کے مطابق نازل ہوتی رہیں۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ کہتے ہیں:

"قرآن کریم پہلے بیک وقت پورا لوح محفوظ سے آسمان دُنیا پر اتارا گیا اور پھر ضرورت و مصلحت کے مطابق تھوڑا تھوڑا نبی کریم ﷺ پر اتارا جاتا رہا۔"

اتارنے اور نازل کرنے کے معنی میں ایک اور لفظ آتا ہے اور وہ ہے "تنزیل" اس کے مفہوم میں یہ بات شامل ہے کہ تھوڑا تھوڑا کر کے اتارا جائے تو نزول اور تنزیل کہیں گے۔ چنانچہ جہاں اس حقیقت کو نمایاں کرنا مقصود ہوا کہ قرآن تھوڑا تھوڑا نازل کیا گیا، بیک وقت اس کا نزول نہیں ہوا، وہاں نزول اور تنزیل کا لفظ استعمال کیا:

جب منکروں نے اعتراض کیا کہ قرآن ایکبارگی کیوں نازل نہ کیا گیا، دو دو، چار چار آیتیں کیوں نازل کی جاتی ہیں تو اس کا جواب یوں دیا گیا:

"کافر لوگ کہنے لگے یہ قرآن نبی پر ایک ہی دفعہ میں کیوں نہ نازل کر دیا گیا، (فرمایا) ہماری طرف سے یہی طے ہوا کہ تھوڑا تھوڑا کر کے اتاریں تا کہ اس قرآن کے ذریعے حضور ﷺ کے قلب کو تقویت پہنچائیں، اور ہم ترتیل و خوبی کے ساتھ اس کی تلاوت کریں (یعنی بتدریج نازل کریں) تا کہ آپ ﷺ کے لیے اس کی تلاوت اور یاد کرنا آسان ہو۔"(الفرقان:۳۲)

قرآن کریم کے بتدریج نازل کرنے میں بہت سی مصلحتیں اور حکمتیں پوشیدہ تھیں، منکرین کوئی اعتراض کرتے، اس کا جواب نازل ہو جاتا۔ مسلمانوں کو جو مسائل درپیش ہوتے، ان کا حل بتا دیا جاتا، آنے والے اہم واقعات و حوادث سے نبی ﷺ کو آگاہ کیا جاتا، مسلمانوں کو پیش آمدہ مشکلات کے حل کے ساتھ صبر و تسلی کے پیغامات سے نوازا جاتا۔ غرض اسی طرح بہت سی حکمتیں تھیں جو قرآن کے بتدریج اور مرحلہ وار نزول سے حاصل ہوئیں۔

قرآن کیسے نازل ہوا؟

نزول قرآن کی کیا کیفیت تھی۔ جبرئیل امین، بارگاہ ایزدی اور لوح محفوظ سے اللہ کا کلام لے کر کس طرح حضور ﷺ کے پاس آتے تھے، اسے حضور ﷺ تک کیسے پہنچاتے تھے۔ حضور کے دل پر یہ کلام کس طرح منعکس ہوتا تھا۔ اور پھر اسے کیسے احاطہ تحریر میں لایا جاتا تھا؟

علماء نے اس کی دو صورتیں بیان کی ہیں:

اوّل یہ کہ: جبرئیل امین پہلے اس کلام کو باطنی اور روحانی طور پر اللہ تعالیٰ سے اخذ کر لیتے ہوں اور پھر آنحضرت ﷺ پر لے کر اترتے ہوں اور آپ ﷺ کو سناتے ہوں۔

دوسری صورت یہ ہے کہ: جبرئیل امین کی نظروں کے سامنے قرآن منعکس کر دیا جاتا ہو، وہ اسے یاد کر لیتے ہوں اور پھر حضور تک پہنچاتے ہوں۔

پہلی صورت کا حاصل یہ ہے کہ کسی واسطہ کے بغیر جبرئیل امین یہ کلام اللہ تعالیٰ سے اخذ کریں اور پھر اس کلام کو اللہ کی مرضی اور مشیت کے مطابق حضور ﷺ کو سنا دیں، اور یاد کرا دیں۔ آج کے سائنسی دور میں ہم اس بات کا مشاہدہ کر رہے ہیں کہ بغیر کسی صورت کے ایک آواز اور خطاب ٹیپ کر لیا جاتا ہے اور وہ ایک سے دوسری جگہ نقل ہوتا رہتا ہے۔ علماء اور محققین نے اسی صورت کو ترجیح دی ہے۔ اگرچہ اس بارے میں قطعی اور حتمی توجیہ و تعبیر ممکن نہیں۔ قرآن کی اس آیت اور تعبیر سے اسی صورت کو تقویت ملتی ہے۔ ارشاد ہے:

"جبرئیل امین، آپ ﷺ کے قلب پر اللہ کا کلام، اللہ کے حکم سے لے کر اترتے ہیں۔"

علامہ جلال الدین سیوطیؒ کہتے ہیں کہ:

"وحی الٰہی کا نزول نبی کریم ﷺ پر دو طرح ہوتا تھا۔ ایک یہ کہ اللہ تعالیٰ اپنے احکام جبرئیل امین کے ذریعے آنحضرت ﷺ پر اتارتے کہ آپ ﷺ یہ کام کیجیے۔ اس کام سے لوگوں کو منع کر دیجیے، اس کام کا حکم

دیتے ہیں، لیکن اس میں کوئی تعبیر اور مخصوص عبارت نہ ہوتی۔"

دوسری صورت یہ تھی کہ اللہ تعالیٰ جبرئیل امین کو حکم دیتے کہ تم یہ کلام (اور حکم) ہمارے رسول حضرت محمد ﷺ کو پڑھ کر سنا دو، جبرئیل امین وہ کلام لیکر اترتے اور آنحضرت ﷺ کو سنا دیتے، آپ ﷺ اسے یاد کر لیتے۔"

علامہ سیوطیؒ کہتے ہیں کہ وحی کی یہ دوسری قسم ہی کلام اللہ اور قرآن ہے اور پہلی قسم سنت رسول ﷺ ہے

نبی ﷺ پر وحی مکہ میں بھی نازل ہوئی اور مدینہ میں بھی اور مکہ اور مدینہ کے علاوہ دوسرے مقامات پر بھی، نیز مختلف حالات میں وحی کا نزول ہوتا، کبھی آپ ﷺ سواری پر ہوتے اور کبھی بیٹھے ہوئے، کبھی اپنے گھر میں ہوتے اور کبھی کسی دوسرے کے گھر میں اور کبھی ام المؤمنین عائشہ صدیقہؓ کے بستر پر۔

جس وقت نبی ﷺ پر وحی کا نزول ہوتا تو آپ اس کے ثقل کے باعث مشقت اور اعصاب پر دباؤ کی کیفیت محسوس کرتے جیسا کہ خود قرآن اس کی شہادت دیتا ہے: "ہم عنقریب تم پر ایک بھاری فرمان نازل کریں گے" (المزمل:۵)

حدیث عبادۃ بن صامتؓ میں ہے کہ "نبی ﷺ پر جب وحی کا نزول ہوتا تھا تو شدت کرب سے آپ ﷺ کے چہرے کا رنگ متغیر ہو جاتا تھا۔"

مختلف روایات میں آتا ہے کہ جب نبی ﷺ اونٹنی پر سوار ہوتے اور اس حالت میں آپ ﷺ پر وحی کا نزول شروع ہو جاتا تو اونٹنی وحی کے ثقل (بوجھ) سے بیٹھ جاتی۔

ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ حارث بن ہشام نے نبی ﷺ سے پوچھا، آپ ﷺ پر وحی کیسے آتی ہے؟ حضور ﷺ نے فرمایا: "کبھی گھنٹی کی آواز کی طرح آتی ہے، یہ صورت مجھ پر زیادہ گراں گزرتی ہے، جب منقطع ہوتی ہے تو میں اسے سمجھ اور یاد کر چکا ہوتا ہوں۔ اور کبھی فرشتہ کسی آدمی کی شکل میں میرے پاس آتا ہے اور مجھ سے بات کرتا ہے، وہ جو کچھ کہتا ہے میں اسے یاد کر لیتا ہوں۔"

حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ "میں نے دیکھا کہ شدید سردی میں آپ ﷺ پر وحی نازل ہوتی اور آپ ﷺ پسینہ پسینہ ہو جاتے اور آپ ﷺ کی جبین مبارک سے پسینہ ٹپکتا ہوا محسوس ہوتا۔

نزول قرآن و وحی کی ابتداء

صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ سے طویل روایت ہے:

"سب سے پہلے وحی کی ابتداء آنحضرت ﷺ کے لیے مبارک اور سچے خوابوں سے ہوئی۔ پس آپ ﷺ جو بھی خواب دیکھتے وہ صبح کی روشنی کی طرح روشن اور واضح ہوتا، پھر آپ ﷺ کو خلوت و تنہائی محبوب ہوگئی تو آپ ﷺ غار حراء میں خلوت گزیں ہو کر عبادت فرمانے لگے، آپ گھر والوں کی طرف لوٹنے سے پہلے کئی کئی راتیں عبادت میں مشغول رہتے اور اس کے لیے توشہ لے جاتے۔ پھر خدیجہؓ کے پاس آتے پھر توشہ لے کر چلے جاتے یہاں تک کہ آپ ﷺ کے پاس اچانک حق آگیا (یعنی آپ ﷺ بعثت و رسالت سے سرفراز فرمائے گئے) اس وقت آپ ﷺ غار حرا میں تھے، اللہ کا فرشتہ آپ ﷺ کے پاس آیا اور کہنے لگا، پڑھیے......! آپ ﷺ نے فرمایا میں تو پڑھا ہوا نہیں ہوں۔ آپ ﷺ فرماتے ہیں کہ اس فرشتے نے مجھے پکڑ کر خوب دبایا جس سے بے حد تکلیف ہوئی، پھر مجھ کو چھوڑا اور کہا...... پڑھیے! میں نے کہا میں تو پڑھا ہوا نہیں ہوں، فرمایا۔ اس نے مجھ کو پھر پکڑا اور اتنا زور سے بھینچا کہ تکلیف انتہا کو پہنچ گئی۔ پھر چھوڑ دیا اور کہا پڑھیے! میں نے پھر یہی کہا کہ، میں تو پڑھا ہوا نہیں ہوں۔ اس نے پھر تیسری بار انتہائی شدت سے بھینچا۔ یہاں تک کہ تکلیف اپنی انتہاء کو پہنچ گئی پھر مجھ کو چھوڑ دیا اور کہا۔

اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ ۝ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ۝ اِقْرَاْ وَرَبُّكَ الْاَكْرَمُ الَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ۝ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ یَعْلَمْ ۝ (العلق:۱۔۵)

ان آیات کو نبی کریم ﷺ، حضرت خدیجہ کی طرف لے کر لوٹے اور حال یہ تھا کہ آپ ﷺ کا جسم مبارک کانپ رہا تھا۔ آپ ﷺ نے خدیجہؓ سے کہا مجھے کمبل اڑھا دو، مجھے کمبل اڑھا دو! انہوں نے کمبل اڑھا دیا۔"

صحیح بخاری اور مسلم کی اس مشہور اور طویل حدیث سے یہ بات بھی واضح ہوتی ہے کہ آں حضرت ﷺ کو منصب نبوت و رسالت عطا ہونے کے ساتھ سب سے پہلے کون سی آیتیں نازل ہوئیں، امام بیہقی "دلائل النبوت" میں حضرت عائشہ صدیقہؓ کی یہ روایت نقل کی ہے۔ "سب سے پہلی آیت جو قرآن کریم میں نازل ہوئی، وہ "اقراء" ہے۔

قرآن کیسے لکھا گیا؟

اگر چہ یہ حقیقت اپنی جگہ مسلم ہے کہ نبی ﷺ کی بعثت سے پہلے اہل عرب ان پڑھ تھے، ان میں تعلیم و تعلم کا رواج بالکل نہ تھا۔ علوم و فنون، درس و تدریس اور کتابت سے نا آشنا تھے، اسی سبب امّی (ان پڑھ) کہلاتے تھے۔ خود قرآن حکیم نے اس حقیقت کو آشکار کیا۔ "وہ اللہ جس نے ان پڑھ لوگوں میں اپنا رسول بھیجا، جو ان کو اللہ کی آیتیں پڑھ پڑھ کر سناتا ہے۔" (الجمعہ:۲)

لیکن اللہ تعالیٰ کو انہی حالات میں اسی خطے اور اسی طبقے میں اپنے برگزیدہ رسول پر اپنی آخری کتاب ہدایت بھی نازل کرنا تھی اس لیے پوری قوم کے ان پڑھ ہونے کے باوجود کچھ لوگ علم و فن سے بھی آشنا تھے، وہ لکھنا پڑھنا جانتے تھے۔ انہیں اپنے خاندانوں اور قبیلوں میں ممتاز مقام حاصل تھا۔ یہ لوگ اپنے قبیلوں کی نمائندگی اور سفارت کی خدمات انجام دیتے تھے۔

اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ

سے وحی الٰہی کا آغاز ہونا اس بات کی علامت تھی کہ عرب میں کچھ لوگ قلم اور قلم کے ذریعے علوم و معارف کی نشر و اشاعت اور کتابت کو پہچانتے تھے۔ علم، فن اور کتابت سے آشنا اسی طبقے کے حصے میں یہ سعادت آئی کہ ان کو حضور ﷺ نے خدا کی آخری وحی، یعنی قرآن پاک کی کتابت کے لیے مخصوص کیا۔

الطبقات الکبریٰ لابن سعد، تاریخ طبری، روضۃ الاحباب اور بعض دوسری کتابوں میں مذکور ہے کہ نبی کریم ﷺ کے حکم سے چالیس صحابہ کرام، کتابت وحی کی خدمت پر مامور تھے، ان میں مشہور صحابہ کرام یہ ہیں:

حضرت ابوبکر صدیق ؓ — حضرت عمر فاروق ؓ
حضرت عثمان ؓ — حضرت علی ؓ
حضرت زید بن ثابت ؓ — حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ
حضرت عبداللہ بن رواحہ ؓ — حضرت خالد بن ولید ؓ
حضرت محمد بن مسلم ؓ — حضرت عبداللہ بن سلول ؓ
حضرت مغیرہ بن شعبہ ؓ — حضرت عمرو بن العاص ؓ
حضرت معاویہ بن ابی سفیان ؓ — حضرت جہم بن الصلت ؓ
حضرت حذیفہ بن الیمان ؓ — حضرت عبداللہ بن ارقم ؓ
حضرت سعید بن جبیر ؓ — حضرت عبداللہ بن ابی السرح ؓ
حضرت زبیر بن العوام ؓ — حضرت حنظلہ بن ربیع ؓ
حضرت عبداللہ بن ارقم زہری ؓ

عہدِ رسالت میں حفاظ قرآن

حضور نبی کریم ﷺ کے مبارک دور میں بہت سے صحابہ قرآن پاک حفظ کر چکے تھے۔ قرآن کریم جس طرح ازل سے لوحِ محفوظ میں محفوظ تھا۔ اس طرح اللہ کی مشیت یہ طے کر چکی تھی کہ حضرت محمد ﷺ پر نازل ہونے کے بعد ابد تک اہلِ ایمان کے سینوں میں محفوظ رہے گا۔ گویا اللہ نے امت محمدیہ کے سینوں کو دنیا میں لوحِ محفوظ کا نمونہ بنا دیا۔ انجیل میں آنحضرت ﷺ کی اُمت کی علامات میں یہ بات ذکر کی گئی ہے ان کے سینے ان کی انجیلیں ہوں گی۔ قرآن نے اس کی گواہی یوں دی:

"بلکہ وہ تو کھلی نشانیاں ہیں (جو حق و باطل کے درمیان فرق کرنے والی ہیں) اور علم والوں کے سینے میں محفوظ ہیں" (العنکبوت: ۴۹)

مراد یہی ہے کہ وہ کتاب الٰہی کو یاد کریں گے، کتاب الٰہی کا حفظ ایک معجزہ ہوگا۔ لیکن امتِ محمدیہ کے لیے اسے آسان بنا دیا جائے گا۔

نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ اللہ نے فرمایا:

"اے محمد ﷺ! میں تم کو آزمانے والا ہوں اور تمہارے ذریعے امت کو بھی آزماؤں گا اور تم پر ایک کتاب اتارنے والا ہوں جس کو دُنیا کا کوئی پانی نہ دھو سکے گا، سوتا ہوا بھی اس کو پڑھے گا اور جاگتا ہوا بھی۔" (مُسلم)

جو حروف اوراق پر لکھے ہوئے ہوں، انہیں پانی مٹا سکتا ہے۔ لیکن جو حروف وکلمات سینوں پر نقش ہو گئے، جنہیں لاکھوں افراد نے اپنے حافظوں کا حصہ بنا لیا۔ انہیں نہ کوئی پانی دھو سکتا ہے اور نہ کوئی آگ جلا سکتی ہے۔

امام حسن بصریؒ کا قول ہے کہ یہ بات اُمت محمدیہ کی خصوصیات میں سے ہے کہ اللہ نے اپنی کتاب کے حفظ کی نعمت سے نوازا، پچھلی تمام امتیں اس نعمت سے محروم رہیں۔

حفظ قرآن کا سلسلہ جناب رسالتِ مآب ﷺ کے عہد ہی سے شروع ہو گیا اور آپ ﷺ کے دور میں قرآن کے حافظوں اور قاریوں کی تعداد اس حد تک ہو گئی تھی کہ عام مسلمانوں کی تعلیم کے لیے حضور ﷺ ایک ایک شہر اور بستی میں چالیس چالیس حافظ اور قاری بھیجا کرتے تھے۔

بیر معونہ کا واقعہ سن چار ہجری کا ہے۔ جس میں منافقین نے ستر (۷۰) حفاظ قرآن کو بڑی بے دردی سے شہید کر دیا تھا۔ علامہ ذہبی کہتے ہیں کہ:

"یوں تو عہدِ نبوت میں صحابہ کی بڑی تعداد نے قرآن حفظ کر لیا تھا، مگر سات صحابہ ایسے ہیں جن کی سند حفظ وقرأت میں پوری دنیا میں مسلم ہے اور سلسلہ حفظ کی سند انہی سے ملتی ہے وہ سات حضرات یہ ہیں:

حضرت عثمان غنی ؓ — حضرت علی بن ابی طالب ؓ
حضرت ابی بن کعب ؓ — حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ
حضرت ابوالدرداء ؓ — حضرت زید بن ثابت ؓ
حضرت ابوموسیٰ اشعری ؓ

روایات کی چھان بین سے پتہ چلتا ہے کہ صحابہ کرام میں حفاظ قرآن کی تعداد دس ہزار تھی۔ خواتین بھی قرآن کریم حفظ کرتی تھیں۔ صحابیات میں بہت سے خواتین نے پورا قرآن کریم حفظ کیا جن میں:

اُم المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ ؓ، اُم المؤمنین حضرت حفصہ ؓ، اُم المؤمنین حضرت اُم سلمہ ؓ، حضرت اُم ورقہ بن نوفل ؓ ۞

قرآن اور جدید سائنس

پروفیسر ڈاکٹر فضل کریم

قسط نمبر 2

☆ یہاں چند دلائل آفاق سے اس نقطہ کی مزید وضاحت ہوگی۔ قرآن مجید میں ارشاد ہوتا ہے۔

وَهُوَ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِیْ سِتَّةِ اَیَّامٍ وَّكَانَ عَرْشُهٗ عَلَى الْمَآءِ

"اور وہی ہے قادر مطلق جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ یوم میں پیدا کیا اور (اس وقت) اس کا عرش پانی پر تھا۔" (سورۃ ھود: آیت ۷)

اس آیت کریمہ میں دو لفظ "یوم" اور "عرش" کی وضاحت ضروری ہے۔ لغت میں یوم سے مراد دن یا وقت ہے اس کی جمع ایام ہیں۔ انسانوں نے اپنے مشاغل کے تعین کے لیے اوقات کی جو تقسیم کی ہے اس میں یوم (دن) طلوع آفتاب و غروب آفتاب کی درمیانی مدت کا نام تجویز کیا گیا ہے۔ یہ مدت زمان ومکان کے اعتبار سے مختلف ہوتی ہے۔ مثلاً قطب شمالی پر چھ ماہ کا دن اور چھ ماہ کی رات ہوتی ہے۔ جب دنیا کے مختلف حصوں میں "یوم" کی مدت اس قدر مختلف ہے تو نظام شمسی کے ماوراء کے دن کو تو ہم دنیا کے دن پر قیاس ہی نہیں کر سکتے۔ اللہ جل شانہٗ کے اشاروں پر یہ کرہ ارض اور تمام اجرام سماویہ رقص کناں ہیں۔ بارگاہ خداوندی میں اوقات کے تعین کی صورت کیا ہے؟ اسکا صحیح تصور ہمارے لیے ممکن ہی نہیں تاہم ہمارے سمجھانے کے لیے فرمایا گیا ہے اور اپنے رب کے یہاں کا ایک دن ایسا سمجھ جیسے تمہارے حساب سے ہزار سال۔

"وہ آسمان سے لے کر زمین تک ہر امر کی تدبیر کرتا ہے، پھر ہر امر اسی کے حضور میں پہنچ جاوے گا ایک ایسے دن میں جس کی مقدار تمہارے شمار کے مطابق ایک ہزار برس ہوگی۔" (سورۃ السجدہ: ۵)

اس کا مطلب یہ ہوا کہ تمہارے رب کے ہاں وقت کے وقفہ کو ایک دن قرار دیا جاتا ہے وہ اس دنیا کے ایک ہزار سال کے برابر پھیلاؤ رکھتا ہے۔

دوسری جگہ فرمایا:

"اور اس کی طرف فرشتے اور روح اس دن چڑھیں گے جس کی مقدار (دنیا کے) پچاس ہزار سال ہوگی۔" (سورۃ معارج: ۴)

اس آیت میں قیامت کے دن کے متعلق فرمایا گیا ہے۔ ممکن ہے اس سے مراد یہ ہو کہ یہ دن اپنی ہولناکی کے سبب کافروں کے لئے پچاس گنا ہو جائے گا جیسا کہ مومنوں کے لئے بے حد مختصر ہوجائے گا۔ چنانچہ حدیث میں آتا ہے "خدا کی قسم ایماندار آدمی کو وہ دن ایسا چھوٹا معلوم ہوگا جتنا کہ ایک فرض نماز ادا کرنے کا وقت۔" تاہم مندرجہ بالا آیات میں یہاں بھی بارگاہ خداوندی کے دن مراد ہیں۔ سورۃ ھود کی آیت میں "یوم" سے مراد تخلیق کائنات کا ایک دور (Period) ہوگا چنانچہ "یوم" سے مراد وقت کا چھوٹے سے چھوٹا حصہ بھی ہوسکتا ہے۔ اس آیت میں چھ یوم سے مراد چھ ادوار ہوسکتے ہیں اور ہر دو اربوں سال پر بھی محیط ہوسکتا ہے۔

اب آیت کے دوسرے لفظ "عرش" پر غور فرمایئے۔ لغت میں اس کے معنی چھت، تخت شاہی، بلند مقام، عظمت وجلال ہے۔ عرش الٰہی کے متعلق کہا گیا ہے کہ وہ فلک اعلیٰ ہے۔

مفسرین نے "عرش" کی کئی توضیحات کی ہیں مثلاً یہ کہ عرش اللہ تعالیٰ کا تخت سلطنت ہے جہاں سے وہ احکام جاری کرتا ہے۔ عرش کے علاوہ قرآن مجید میں ایک اور لفظ "کرسی" آیا ہے۔ آیت الکرسی میں "کرسی" کا ذکر ہے۔ سورہ البقرہ کی آیت 255 میں ارشاد ہوتا ہے۔ (مفسرین نے اس کے مندرجہ ذیل تراجم کئے ہیں)

"اللہ تعالیٰ کی کرسی زمین وآسمان پر محیط ہے۔"

"اس کی کرسی نے سب آسمانوں اور زمین کو اپنے اندر لے رکھا ہے۔"

"اس کی کرسی میں تمام آسمانوں اور زمین کی گنجائش ہے۔"

کرسی سے یہ مراد نہ لینا چاہیے کہ نعوذ باللہ اللہ تعالیٰ کوئی جسم رکھتا ہے اور وہ کرسی نشین ہے۔ کرسی کے معنی علم کے ہوسکتے ہیں اور قدرت وطاقت کے بھی یعنی اللہ تعالیٰ کا علم اور قدرت ساری کائنات پر غالب ہے۔ انسانی ذہن میں "عرش" اور "کرسی" کے الفاظ سے کسی اعلیٰ و ارفع بیٹھنے کی جگہ کا تصور پیدا ہوتا ہے چونکہ دنیا میں کرسی اور تخت بیٹھنے کی جگہ ہی ہے لیکن چونکہ اللہ تعالیٰ کے وجود کا تصور انسانی ذہن کے لیے ناممکنات میں سے ہے، اس لحاظ سے لفظ "عرش" یا "کرسی" کا تصور بھی ناممکن ہے۔ سائنسی نقطہ نگاہ سے عرش یا کرسی سے مراد "انرجی" (Energy) یا قدرت ہوسکتی ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ عرش یا کرسی کی حقیقت وکیفیت سے ہم کبھی بھی واقف نہیں ہوسکیں گے۔

زندگی کا آغاز

اب سورۃ ھود کی آیت (7) پر غور فرمائیے۔ میری حقیر دانست کے مطابق "اللہ کا عرش پانی پر تھا" سے مراد ہے کہ جب اللہ جل شانہ، نے زمین و آسمان تخلیق کر لیے تو پھر پانی کی طرف توجہ فرمائی تا کہ زندگی کا آغاز ہو۔ زندگی کا آغاز پانی اور گارے (کیچڑ) سے ہوا جس کی تصدیق خود قرآن مجید میں موجود ہے۔ چند آیات کا ترجمہ ملاحظہ فرمائیے۔

"ہم نے ہر زندہ شے کو پانی سے بنایا"

(سورۃ الانبیاء 21: آیت 30)

مذکورہ آیت سے واضح ہوتا ہے کہ زندہ اشیاء پانی سے وجود میں آئی ہیں۔

"وہی ہے جس نے تم کو مٹی سے پیدا کیا" (سورۃ انعام 6: آیت 2)

"اور جب تیرے رب نے فرشتوں سے کہا کہ میں کالے سڑے ہوئے گارے سے جو کھن کھن بولنے لگتا ہے ایک بشر کو پیدا کرنے والا ہوں"

(سورۃ حجر 15: آیت 28)

"اور اللہ ہی نے تمام جانداروں کو پانی سے پیدا کیا۔ ان میں بعض پیٹ کے بل چلتے ہیں اور بعض ان میں سے دو پاؤں پر چلتے ہیں اور بعض ان میں سے چار پاؤں پر چلتے ہیں اور جس وضع پر چاہتا ہے پیدا کرتا ہے"۔ (سورۃ نور 24: آیت 45)

مندرجہ بالا تمام آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ زندگی کا آغاز یا پیدائش پانی اور کیچڑ یا مٹی دونوں سے ہوا۔ چنانچہ پہلے پیدائش پانی (اور مٹی) سے ہوئی پھر اللہ تعالیٰ نے تخلیق کے پروسیس کو رحم مادر سے جاری کیا جیسا کہ مندرجہ ذیل آیات سے واضح ہوتا ہے۔

"پس ہم نے تمہیں مٹی سے اور نطفے سے پیدا کیا"

(سورۃ حج 22: آیت 5)

"اور ہم نے انسان کو مٹی کے خلاصہ (یعنی غذا) سے بنایا۔ پھر ہم نے اس کو نطفہ سے بنایا جو کہ (ایک مدت معینہ تک) ایک محفوظ مقام (یعنی رحم) میں رہا۔ پھر ہم نے اس نطفہ کو خون کا لوتھڑا بنایا۔ پھر ہم نے اس خون کے لوتھڑے کو (گوشت کی) بوٹی بنایا۔ پھر ہم نے اس بوٹی (کے بعض اجزاء) کو ہڈیاں بنا دیا۔ پھر ہم نے ان ہڈیوں پر گوشت چڑھا دیا۔ پھر ہم نے اس کو ایک دوسری طرح کی مخلوق بنا دیا۔ سو کتنی بڑی شان ہے اللہ کی جو تمام صناعوں سے بڑھ کر ہے (یعنی سب بنانے والوں سے بہتر)"۔

(سورۃ مومنون 23: آیت 12 تا 15)

اب ماہرین حیاتیات وحیوانات نے بھی دریافت کیا ہے کہ ابتدائی زندگی کا آغاز پانی اور مٹی کے ملاپ سے ہوا۔ میڈیکل سائنس میں اناٹومی کے ماہرین نے بھی اس سارے انسان کی تخلیق کے پروسیس کی تصدیق کر دی ہے جو مذکورہ بالا آیت میں بیان کیا گیا ہے۔ اسی طرح زمین اور آسمانوں کی تخلیق مختلف ادوار میں ہوئی جس کا عرصہ کروڑوں اور اربوں سالوں پر محیط ہے اور ان حقائق سے تمام ماہرین فلکیات وارضیات متفق ہیں۔ نبی کریم ﷺ ماہر حیاتیات یا ارضیات نہ تھے بلکہ یہ سارے حقائق (جو اب مختلف سائنسی علوم کی بنیاد ہیں) اللہ تعالیٰ نے آپ کو قرآن مجید (وحی الٰہی) کے ذریعے بتا دیئے تھے۔ قارئین کرام کو ان آیات سے قرآن حکیم کی معجزیت کا بخوبی اندازہ ہو جانا چاہئے۔ اسی لئے میں نے اس مضمون کے شروع میں لکھا تھا کہ قرآن حکیم میں جو حقائق وشواہد موجود ہیں جدید سائنس صدیوں کی مسافت کے بعد اب ان تک پہنچی ہے۔ اب ایک مسلمان سائنس دان کا ردعمل کیا ہونا چاہئے؟ یہی کہ وہ جب ان آیات پر تدبر، تذکر اور تفکر کرتا ہے تو یقیناً اس کا ایمان اللہ تعالیٰ کی ذات بابرکات پر مزید پختہ ہو جانا چاہئے۔

ایک بات یاد رکھئے کہ موجودہ سائنس ابھی اس نہج پر نہیں پہنچی کہ وہ قرآن حکیم میں بعض سائنسی حقائق کی توضیح پیش کر سکے لیکن یہ حقائق ان کے لئے مزید تحقیق اور جستجو کا محور ہو سکتے ہیں مثلاً ارشاد ہوتا۔

ترجمہ:" اور تحقیق تمہارے واسطے چوپایوں میں سوچنے کی جگہ ہے ہم ان کے پیٹ کی چیزوں میں سے گوبر اور خون کے درمیان سے تمہیں دودھ پلاتے ہیں صاف ستھرا پینے والوں کیلئے خوشگوار"۔ (سورۃ نحل 16: آیت 66)

اس آیت میں ارشاد ہے کہ زمین کی پیداوار کے علاوہ جانوروں سے بھی تمہاری ضرورت کی چیزیں پیدا کیں۔ دیکھو جو کچھ وہ کھاتے ہیں وہ ان کے پیٹ کے اندر جا کر ان کل پرزوں کے ذریعے جو اندر کام کر رہے ہیں، تین چیزوں کی شکل میں تبدیل ہو جاتا ہے۔ ایک حصہ تو گوبر وغیرہ بن کر پھینک دیا جاتا ہے۔ ایک حصہ خون بن کر زندگی کو برقرار رکھتا ہے۔ ان دونوں کے بیچ میں سے ایک تیسری چیز بنتی ہے جسے دودھ کہتے ہیں۔ یہ گوبر اور خون کے درمیان ہی بنتا ہے لیکن ان دونوں گندگیوں اور بدمزگیوں سے پاک ہے۔ یہ ایک صاف ستھری، خوشنما، خوش ذائقہ گلے میں باآسانی اتر جانے والی چیز ہے جسے پینے والے مزے لے لے کر پیتے ہیں"۔

اس آیت سے مراد ہے کہ اس مشاہدہ سے اس حیرت انگیز قدرت کا ادراک کرو اور جانو کہ وہ کس طرح نا قابل فہم طریقوں سے ایسے نتائج حاصل کرتا ہے جو کسی کے وہم و گمان میں بھی نہیں ہوتے ۔ موجودہ سائنس مویشیوں کے اندر دودھ بننے کے نظام کو دیکھ کر اس جستجو میں لگ جاتی ہے کہ وہ کون سے کیمیائی عوامل ہیں جو خوراک کو دودھ میں تبدیل کرتے ہیں۔ لیکن قرآن کی رو سے ایک سائنس دان کو اس مشاہدہ سے جست لگا کر قدرت خداوندی کا ادراک کرنا چاہئے ۔ جو لوگ عبرت پذیری کی صلاحیت کو مردہ کر دیتے ہیں ان کے عقل و دل کی آنکھیں اندھی ہو جاتی ہیں وہ دیکھتے سب کچھ ہیں لیکن ان کو سوجھتا کچھ بھی نہیں ۔ قرآن مجید نے کائنات کے بہت سے ایسے شواہد کا ذکر فرمایا ہے جو سائنس کی جستجو کا منبع و محور ہو سکتے ہیں مثلاً آسمان اور زمین کا نظام، انسانوں اور حیوانوں کی تخلیق، رات اور دن کی گردش، ہواؤں کی گردش اور زمین پر بارش کے اثرات۔ ان شواہد کے بیان کے بعد فرمایا: "یہ اللہ کی آیتیں (نشانیاں ہیں) جو ہم تمہیں بالکل حق کے ساتھ سنا رہے ہیں؟ (یا پڑھ کر سناتے ہیں)"۔

(سورۃ جاثیہ 45: آیت 6)

زمانہ حاضر کا انسان

حضرت علامہ اقبالؒ نے "دور حاضر کا انسان" کے عنوان سے جو نظم لکھی ہے اس کا اطلاق، میری حقیر دانست کے مطابق، سائنس دان پر زیادہ ہوتا ہے۔ چند اشعار ملاحظہ فرمائیے

ڈھونڈنے والا ستاروں کی گزرگاہوں کا
اپنے افکار کی دنیا میں سفر کر نہ سکا
جس نے سورج کی شعاعوں کو گرفتار کیا
زندگی کی شب تاریک سحر کر نہ سکا !

حاصل کلام

جیسا کہ پہلے بھی عرض کر چکا ہوں کہ اس کے باوجود کہ قرآن حکیم سائنس کی کتاب نہیں مگر اس نے بہت سارے دلائل افاق کی بنیاد ایسی چیزوں کے مشاہدہ پر رکھی ہے جو آج جدید سائنس کا موضوع ہیں بلکہ پہلے بھی رہے ہیں لیکن اس مشاہدہ کو اس نے ایک سمعی و بصری عمل قرار نہیں دیا بلکہ یہ تحریک دی ہے کہ سمع و بصر کے خواص کے پہلو بہ پہلو تدبر، تذکر، تفقہ، اور عبرت پذیری کو بھی جگہ دے تا کہ یہ مشاہدہ انسان کو اصل حقائق تک پہنچائے۔ اگر سائنس دان قرآن مجید کی اس ہدایت کو ملحوظ رکھیں تو سائنس مذہب و اخلاق سے اس طرح بے بہرہ نہ ہو جیسی اب ہے۔ ❁

رمضان المبارک

سید داؤد غزنوی

شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِیْ اُنْزِلَ فِیْهِ الْقُرْآنُ هُدًی لِّلنَّاسِ وَبَیِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰی وَالْفُرْقَانِ فَمَنْ شَهِدَ مِنْکُمُ الشَّهْرَ فَلْیَصُمْهُ وَمَنْ کَانَ مَرِیْضًا اَوْ عَلٰی سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَیَّامٍ اُخَرَ یُرِیْدُ اللّٰهُ بِکُمُ الْیُسْرَ وَلَا یُرِیْدُ بِکُمُ الْعُسْرَ وَلِتُکْمِلُوا الْعِدَّةَ وَلِتُکَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰی مَا هَدٰکُمْ وَلَعَلَّکُمْ تَشْکُرُوْنَ٥ (البقرۃ:۱۸۵)

"رمضان وہ مبارک مہینہ ہے جس میں قرآن حکیم نازل ہوا، جو انسانوں کے لئے موجب ہدایت ہے اور جس کی تعلیم میں ہدایت وضلالت اور حق وباطل کی تمیز کے لئے کھلے نشان موجود ہیں، پس جو اس مہینے میں زندہ موجود ہو، وہ روزے رکھے اور جو مریض ہو یا مسافر وہ ان کے بدلے دوسرے دنوں میں پھر روزے رکھ لے۔ خدا تمہارے لیے آسانی چاہتا ہے، سختی نہیں چاہتا، تا کہ تم روزوں کی تعداد پوری کر سکو، اور روزے اس لئے فرض ہوئے کہ تم اس عطائے ہدایت پر خدا کی بڑائی کرو اور شکر بجا لاؤ۔"

قرآن مجید نے مذکورہ آیات میں روزے کا حکم دیتے ہوئے ہمیں ماہ صیام کی اصل حقیقت، مقصد اور اس کے نتائج کی اطلاع دی ہے، ہم ان آیات قرآنی کے مضامین کو ان تین عنوانوں کے تحت تقسیم کر سکتے ہیں:

اوّل: اصل حقیقت ماہ صیام

دوم: مقصد صیام

سوم: نتائج صیام

اوّل: حقیقتِ ماہِ صیام

سب سے پہلے یہ فرمایا کہ رمضان المبارک کے مقدس مہینے میں اقلیم رسالت اور کشور نبوت کے سب سے بڑے تاجدار محمد بن عبداللہ ﷺ پر نامہ خیر و برکت اور دستور ہدایت قرآن حکیم کا نزول ہوا اور یہ اس وقت ہوا جبکہ آپ غار حرا کے اندر انسانی آبادی سے دور، مادی ضروریات سے کنارہ کش ہو کر کئی کئی روز بھوکے اور پیاسے رہ کر راتوں کو اُٹھ اُٹھ کر مشغول دعا تھے اور انسانوں کو گمراہی، باطل پرستی، سرکشی اور تمرد سے نکالنے کے لئے سربسجود رہتے تھے۔ پس رمضان المبارک یا ماہ صیام کی اصل حقیقت نزول قرآن کی یادگار اور تذکار ہے، فرمایا:

شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِیْ اُنْزِلَ فِیْهِ الْقُرْآنُ

"رمضان وہ مبارک مہینہ ہے جس میں قرآن حکیم نازل ہوا"

اور حامل ومبلغ قرآن علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اُسوہ حسنہ کی اقتدا اور اتباع ہے۔ فرمایا:

فَمَنْ شَهِدَ مِنْکُمُ الشَّهْرَ فَلْیَصُمْهُ

"تم میں سے جو شخص اس مہینے میں زندہ موجود ہو، وہ روزے رکھے"

انبیاء کرام کا اُسوۂ حسنہ

قرآن کریم میں انبیاء کرام کے اعمال حیات اور وقائع زندگی کو اس لئے پیش کیا گیا ہے کہ ان کی اقتدا کی جائے اور ان کے اسوۂ حسنہ کی تاسی (پیروی) کی جائے۔ انبیاء کرام میں سے حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کے اعمال حیات کو ایک خاص عظمت وشرف اور اہمیت کے ساتھ بیان کیا گیا ہے اور لوگوں کو اس کے اتباع کی اس طریق پر دعوت دی، اور فرمایا:

قَدْ کَانَتْ لَکُمْ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ فِیْ اِبْرٰهِیْمَ وَالَّذِیْنَ مَعَهٗ (الممتحنۃ:۴)

"یقیناً تمہارے لئے ابراہیم کی زندگی میں اور ان لوگوں کی زندگی میں جو ایمان کے اعلیٰ مدارج میں ان کے ساتھ نظر آتے ہیں، پیروی اور اتباع کے لئے بہترین نمونہ ہے۔"

جس طرح قرآن کریم نے حضرت ابراہیمؑ کی مبارک زندگی کو بطور اُسوۂ حسنہ کے دنیا کے سامنے پیش کیا، اسی طرح ہمارے نبی اکرم ﷺ کی پاکیزہ زندگی اور اعمال حیات کو بھی اسوۂ حسنہ کے طور پر پیش کیا اور فرمایا:

لَقَدْ کَانَ لَکُمْ فِیْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ

"یقیناً تمہارے لئے رسول اللہ ﷺ کے اعمال حیات میں بہترین نمونہ رکھا گیا ہے۔"

یہی دو انبیاء ہیں جنہیں یہ شرف مخصوص حاصل ہے کہ قرآن نے ان کی پاکیزہ زندگیوں کے لئے "اسوۂ حسنہ" کا لفظ استعمال کر کے دنیا کے لئے انہیں بہترین نمونہ کے طور پر پیش کیا اور ان کے عملوں کو ہمیشہ کے لئے محفوظ کر کے ضائع ہونے سے بچا دیا۔

اُسوۂ ابراہیمؑ

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی اولاد کو بے آب وگیاہ سرزمین پر لا کر بسایا کہ خدا کی تحمید و تقدیس بجا لائیں۔ خدا نے حضرت ابراہیمؑ سے ان کے عزیز فرزند کی قربانی طلب کی۔ باپ بیٹا دونوں نے اس قربانی کو پیش کیا۔ اللہ تعالیٰ کو اپنے پیارے بندوں کی یہ مخلصانہ ادائیں کچھ اس طرح بھا گئیں کہ

اس موقع کی ہر حرکت کو ہمیشہ کے لئے قائم کر دیا اور اس کو ہمیشہ دنیا میں زندہ رکھنے کے لئے اس موقع کی ہر ہر ادا کو پیروانِ دین حنیفی پر فرض کر دیا گیا، اور یہ اسی کا نتیجہ ہے کہ ہر سال جب حج کا موسم آتا ہے تو لاکھوں انسانوں کے عمل سے اسوۂ ابراہیمی جلوہ نما ہوتا ہے اور ان میں سے ہر متنفس وہ سب کچھ کرتا ہے جو آج سے کئی ہزار برس پہلے خدا کے دو مخلص بندوں نے وہاں کیا تھا۔ یہی وہ دائمی بقا ہے جس کا ذکر یوں ہے:

وَوَهَبْنَا لَهُمْ مِّنْ رَّحْمَتِنَا وَ جَعَلْنَا لَهُمْ لِسَانَ صِدْقٍ عَلِيًّا (البقرۃ:۱۲۹)

"ہم نے حضرت ابراہیمؑ اور ان کی اولاد کو اپنی رحمت سے بہت بڑا حصہ دیا اور ان کے لئے اعلیٰ و اشرف ذکرِ خیر دنیا میں باقی رکھا۔"

اُسوۂ محمدی

حضرت ابراہیمؑ نے خدا کے حضور یہ دعا و التجا کی تھی کہ

رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْهُمْ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ آيَاتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيهِمْ إِنَّكَ أَنتَ الْعَلِيمُ الْحَكِيمُ (البقرۃ:۱۲۹)

"اے پروردگار! میری اولاد میں سے ایک ایسا رسول بھیج جو تیری آیتیں پڑھ کر سنائے، کتاب و حکمت کی تعلیم دے اور ان کو پاک کر دے۔"

خدا نے حضرت ابراہیمؑ کی دعا قبول کی اور اس معلم کتاب و سنت کو مبعوث فرمایا اور دنیا کے سامنے "اسوۂ محمدی" کو پیش کیا۔ اس اُسوۂ عظیمہ کا سب سے پہلا منظر عالم ملکوتی میں وہ استغراق تام تھا، جبکہ صاحب سنت یا صاحب اُسوۂ انسانوں کو ترک کر کے خدا کی صحبت اختیار کئے ہوئے تھا اور انسانوں کے بنائے ہوئے گھروں کو چھوڑ کر غار حرا کے تیرہ و تاریک حجرے میں گوشہ نشین ہو گیا تھا۔ وہ اس عالم میں کئی کئی راتیں جمال الٰہی کے بے کیف نظارے میں بسر کرتا رہتا تھا تا آنکہ اس تنگ و تاریک غار کے اندر قرآن کا نور طلوع ہوا اور خدا کو اپنے پیارے بندے کی اس ماہ میں مخلصانہ عبادت، گوشہ نشینی، بھوک پیاس اور راتوں کو جاگنا کچھ ایسا پسند آیا کہ دنیا میں اُسوۂ حسنہ کے طور پر اس کو ہمیشہ زندہ رکھا۔ پس جس طرح خدا تعالیٰ نے دین حنیفی کے داعی اوّل کے اُسوۂ حیات کو دوامیت بخشی، اسی طرح دین حنیفی کے آخری مکمل اور متمم وجود کے اُسوہ حسنہ کو بھی ہمیشہ کے لئے قائم کر دیا۔

آپ راتوں کو بارگاہِ الٰہی میں مشغولِ عبادت رہتے تھے، پس پیروانِ اُسوۂ حسنہ اور متبعین سنتِ محمدیہ بھی رمضان المبارک کی راتوں میں قیامِ لیل کرنے لگے اور تلاوت و سماعتِ قرآن مجید سے وہ تمام برکتیں ڈھونڈنے لگے جو اس ماہِ مبارک کو قرآن حکیم کے نزول سے حاصل ہوئیں۔ آپ اپنا گھر بار چھوڑ کر ایک تنہا گوشہ میں خلوت نشین ہوتے تھے۔ پس ہزاروں مؤمنین قانتین اس ماہِ مقدس میں اعتکاف کے لئے مساجد میں گوشہ نشین ہونے لگے، اور اس طرح غار حرا کے اعتکاف کی یاد ہر سال زندہ ہونے لگی۔ آپ بھوکے پیاسے رہتے تھے، لہٰذا تمام مسلمانون کو حکم دیا گیا کہ تم بھی بھوکے پیاسے رہو، تا کہ ان برکتوں اور رحمتوں میں سے حصہ پاؤ جو نزولِ قرآن کے مبارک دنوں کے لئے مخصوص تھیں۔

چنانچہ جس طرح اُسوۂ ابراہیمی کی یادگار حج کو فرض کر کے قائم رکھی گئی، اسی طرح اُسوۂ محمدی کی بھی یادگار ماہِ رمضان المبارک کی صورت میں قائم رکھی گئی جو چودہ سو برس گزر جانے کے بعد بھی زندہ ہے اور ان شاء اللہ ابد الآباد تک زندہ رہے گی۔

رمضان المبارک

رمضان المبارک کیا ہے؟ سعادتِ انسانی اور ہدایتِ اقوام و ملل کے ظہور کی وہ عظیم الشان یادگار ہے جس کا دروازہ قرآن حکیم کے نزول سے دنیا پر کھلا۔ یہی مہینہ خدا کی سب سے بڑی رحمت و برکت کے نزول کا ذریعہ بنا اور اسی مہینہ میں خدا کی رحمتوں کی صدیوں کے بعد بارش ہوئی اور اسی عہد میں دنیا کی وہ سب سے بڑی خشک سالی ختم ہوئی جو سو سال سے بنی نوع انسان کے قلب و روح پر چھائی ہوئی تھی اور اسی موسم میں ایام اللہ کی وہ بہار آئی جس میں کوہ فاران کی چوٹیوں پر ابر رحمت نمودار ہوا تا کہ کشورِ انسانیت کی سوکھی کھیتیوں کو سرسبز کرے اور کائنات ارضی کی تشنگی ہدایت کو سیراب کرے۔

لیلۃ القدر

اور وہ کون سی رات تھی؟ جس میں سعادتِ انسانی کا یہ مبارک پیغام آیا جس کی تبلیغ صادق و مصدوق محمد عربی ﷺ کے سپرد ہوئی، جس میں وحی الٰہی کا دروازہ غار حرا کے گوشہ نشین پر کھلا، وہ عزت و حرمت کی رات تھی۔ وہ ہزاروں راتوں بلکہ ہزاروں مہینوں سے بہتر رات تھی، کیونکہ اس رات ہم پر برکاتِ ربانی کی سب سے پہلی بارش ہوئی۔ اس رات آسمان کی باتیں زمین والوں کو سنائی گئیں اور اسی رات عصیاں و سرکشی کی تاریکی میں مبتلا اور ظلم و تعدی سے مضطرب اور بے چین دنیا کو امن اور سلامتی کا پیغام ملا۔

إِنَّا أَنزَلْنَاهُ فِي لَيْلَةِ الْقَدْرِ ۝ وَمَا أَدْرَاكَ مَا لَيْلَةُ الْقَدْرِ ۝ لَيْلَةُ الْقَدْرِ خَيْرٌ مِّنْ أَلْفِ شَهْرٍ ۝ تَنَزَّلُ الْمَلَائِكَةُ وَالرُّوحُ فِيهَا بِإِذْنِ رَبِّهِم مِّن كُلِّ أَمْرٍ ۝ سَلَامٌ" هِيَ حَتَّىٰ مَطْلَعِ الْفَجْرِ ۝

"ہم نے قرآن کو عزت و حرمت والی رات میں اتارا اور ہاں تمہیں کیا معلوم کہ عزت و حرمت والی رات کیا ہے؟ وہ رات ہزار مہینہ سے بہتر ہے، جس میں ارواح

مقدسہ اور فرشتے حکم الٰہی سے احکام لے کر نازل ہوتے ہیں۔اس رات میں طلوعِ صبح تک سلامتی ہی سلامتی ہے۔" (سورۃ القدر)

قیامِ رمضان

یہ انہی احسانات وانعامات الٰہیہ کا شکریہ ہے کہ مسلمان دن بھر کی بھوک اور پیاس کے بعد عجب جوش اور محویت کے عالم میں رات کو خدا کی یاد کے لئے کھڑے ہو جاتے ہیں۔دنیا کا ذرہ ذرہ خاموش اور محوِ خواب ہوتا ہے ،لیکن شیفتگانِ سنتِ محمد یہ اپنے بستروں کو خالی کر دیتے ہیں اور اسی کی حمد وثنا میں مشغول ہو جاتے ہیں ،جس نے اس ظلمت کدہ عالم میں صرف ہمیں ایک ایسا چراغ بخشا جس سے ہمارے قلوب منور ہو گئے۔اسی کی تسبیح وتقدیس کے نغمے بلند کرتے ہیں جس نے اقوام عالم میں ہمیں یہ عزت بخشی کہ ہم نے اس کے رسول کی دعوت کو قبول کیا اور اس کی سنت کو زندہ کیا۔

دوم :مقصدِ صیام

یہ ایک حقیقتِ مسلمہ ہے کہ انسان جسم اور روح سے مرکب ہے اور جس قدر روح میں پاکیزگی اور طہارت ہو گی، اسی قدر انسان ملکوتی صفات کا مظہر اور حامل ہو گا اور جس قدر انسان کھانے پینے اور لذائذ شہوانی میں زیادہ منہمک ہو گا، اسی قدر قوائے بہیمیہ مشتعل اور قوائے ملکیہ کو شکست دینے کے در پے ہوں گے۔چونکہ قوائے بہیمیہ کی قوت وطاقت کا دارو مدار کھانے پینے اور لذاتِ شہوانیہ میں انہماک پر ہے، اسی لئے ظاہر ہے کہ نفس کی قہرمانی کو شکست دینے اور قوائے بہیمیہ کو کمزور کرنے کے لئے ان اسباب و دواعی کو کم کرنے کی ضرورت ہے جن سے قوائے بہیمیہ کو طاقت اور ملکوتی صفات کو شکست ملتی ہے۔اور یہی مقصد روزہ کا ہے۔جس طرف آیت زیب عنوان میں اشارہ کیا گیا ہے ،لیکن اصل مقصد چونکہ عبادت روح ہے نہ کہ تعذیبِ جسم ، اس لئے اسلام نے تکلیفِ جسم کو اس قدر شدید اور ناقابل برداشت نہیں بنایا کہ اس سے اصل مقصد فوت ہو جائے۔اس لئے سال بھر میں صرف ایک مہینہ روزوں کے لئے مخصوص کر دیا، جس میں قرآن مجید کا نبی ﷺ پر نزول ہوا، تاکہ یہ مبارک مہینہ قرآن مجید کے نزول کی یادگار ہو اور روزوں کے ذریعے روح کی پاکیزگی اور طہارت کا سبب بھی ہو۔

چونکہ اصل مقصد تقویٰ اور تزکیہ روح ہے، نہ کہ تعذیبِ جسم جیسا کہ دوسرے مذاہب میں خیال کیا جاتا ہے، اس لئے تقلیل غذا اور لذائذ شہوانیہ کی ایسی صورت قائم کر دی جو سوائے معذور انسانوں کے باقی سب کے لئے قابل عمل اور آسانی ہو۔کیونکہ تقلیل غذا کی دو ہی صورتیں ہو سکتی ہیں :ایک تو یہ کہ مقدارِ غذا کم کر دی جائے اور دوسرا یہ کہ خوراک کے مختلف اوقات میں معتاد وقفہ سے زیادہ وقفہ کر دیا جائے۔اسلام نے اور دوسرے مذاہب نے بھی تقلیل غذا کی دوسری صورت کو تجویز کیا ہے۔

اس لئے کہ پہلی صورت یعنی مقدارِ غذا کو کم کر دینا اگر روزہ قرار دیا جاتا تو اول یہ کسی قاعدہ اور ضابطہ کے ماتحت نہ ہوتا کیونکہ اگر کم وزن مقرر کر دیا جاتا تو یہ اختلافِ ملک، اختلافِ آب وہوا، اختلافِ مزاج اور اختلافِ قویٰ کی بنا پر کسی حالت میں درست نہ ہوتا اور اگر ہر ایک شخص کے لئے انفرادی طور پر حکم ہوتا کہ اپنی معتاد غذا کا نصف کھاؤ یا اس سے کم وبیش تو یہ بھی ایک ناقابل عمل چیز تھی، کیونکہ ہر ایک انسان کی اگرچہ ایک معتاد غذا ضرور ہے لیکن پھر بھی ہر شخص کو اپنی معتاد غذا کا ٹھیک نصف یا تہائی کرنا اور ایک لقمہ بھی کم و بیش نہ ہونے دینا قریباً ناممکن ہے اور ثانیاً اس سے قانون اور ضابطہ کی وہ عمومیت جو اس کی سب سے بڑی صفت ہے، جاتی رہتی لہٰذا تقلیل غذا کی دوسری صورت اختیار کی ،یعنی خوراک کے اوقات میں معتاد اوقات سے زیادہ فاصلہ جس سے بھوک اور پیاس محسوس ہو اور قوائے بہیمیہ کی پامالی ہو اور روح کو طہارت اور پاکیزگی حاصل ہو۔

اسلام نے اس بھوک ، پیاس اور ترکِ لذائذِ شہوانیہ کو اس قدر سخت اور ناقابل عمل نہیں بنایا کہ یہ مقصود بالذات ہو جائے اور جو اصل مقصد ہے، وہ فوت ہو جائے۔اس کے لئے ضرورت ہے کہ اسلامی عبادات و ریاضت کا دوسرے مذاہب سے مقابلہ کر کے دکھایا جائے تاکہ معلوم ہو کہ ارشادِ خداوندی

يُرِيدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيدُ بِكُمُ الْعُسْرَ

اس قدر اپنے اندر ناقابلِ تردید صداقت رکھتا ہے۔

دوسرے مذاہب نے تکلیف وتعذیبِ جسمانی کو بھی ایک قسم کی عبادت بلکہ بہترین اقسامِ عبادات میں سے قرار دیا ہے۔اور اسی تخیل کا یہ اثر ہے کہ یہودیوں کے ہاں قربانی اس قدر طویل وکثیر رسوم پر مشتمل تھی جس کی صرف شرائط اور لوازمات کا بیان تورات کے چار پانچ صفحوں میں مذکور ہے۔افطار کے وقت صرف ایک دفعہ کھا سکتے تھے، اس کے بعد دوسرے روز کے وقتِ افطار تک کچھ نہیں کھا سکتے تھے (یعنی مستقل سحری کھانے کی اجازت نہ تھی) اور اگر بغیر کھائے ہوئے بدقسمتی سے نیند آگئی تو پھر کھانا مطلق حرام تھا۔ایامِ صیام کی پوری مدت میں بیویوں کی مقاربت بھی حرام تھی۔

عیسائی راہبوں نے رہبانیت کی بنیاد ڈالی تو انہوں نے شرعی بیاہ کو بھی اپنے اوپر حرام کر دیا، اور ترکِ آسائش ولذائذِ جسمانی ان کے ہاں بہترین عبادت تھی۔قربان گاہ ،صلیب اور کنواری کے بت

کے آگے گھٹنوں کے بل گھٹنوں جھکے رہنا، کئی کئی روز کھانا پینا چھوڑ دینا زہد وتقویٰ کی انتہا سمجھی جاتی تھی۔

ہندو جوگیوں نے تپسیا اور ریاضتِ شاقہ کی اور بھی عجیب وغریب رسم ایجاد کی۔ ان کے ہاں سالہا سال تک کھڑے رہنا، سخت دھوپ میں بغیر کسی سائے کے گزارہنا، جاڑوں میں ننگے بدن رہنا، تمام جسم پر راکھ ملنا، دس دس برس تک ایک ہاتھ کو ہوا میں بلند رکھنا اور ایک ایک چلہ تک کھانا پینا بالکل چھوڑ دینا تقرب الی اللہ کے حقیقی راستے سمجھے جاتے تھے۔

ان میں جینیوں کا فرقہ پیدا ہوا تو اس نے ناک، منہ اور کان کو بند رکھنا شروع کیا تا کہ ان کے تنفس کے ذریعے کسی کیڑے کو اذیت نہ ہو۔ ہندوؤں میں "بدھ" کا فرقہ پیدا ہوا تو اس کے بھکشو جنگلوں اور پہاڑوں میں رہنے لگے اور گھاس، پتوں اور بھیک کے ٹکڑوں پر گزر کرنے کو زہد واتقا کی علامت سمجھنے لگے، جس کی معمولی سی یادگار اس وقت بھی برما میں موجود ہے۔

لیکن اسلام نے رہبانیت کی تمام شکلوں کو ناجائز قرار دیتے ہوئے یہ اعلان فرمایا:

لا رھبانیۃ فی الاسلام "اسلام میں کسی قسم کی رہبانیت نہیں ہے"۔ یہود ونصاریٰ جس رہبانیت پر فخر کرتے تھے، اس کے متعلق یہ فرما کر رہبانیت کی حقیقت بے نقاب کردی کہ

وَرَهْبَانِيَّةً ابْتَدَعُوهَا مَا كَتَبْنَاهَا عَلَيْهِمْ

"یہ رہبانیت ان کی اپنی ایجاد ہے، ہم نے ان کو اس قسم کا کوئی حکم نہیں دیا" (الحدید:۲۷)

غرض اسلام نے تعذیبِ جسمانی اور ریاضتِ شاقہ کو خلافِ منشا دین اور انسان کی ضعیف گردن کے لئے بار گراں سمجھ کر اس کو غلط قرار دیا اور پیغمبر اسلام کی تعریف میں یہ بھی فرمایا:

وَيَضَعُ عَنْهُمْ إِصْرَهُمْ وَالْأَغْلَالَ الَّتِي كَانَتْ عَلَيْهِمْ (الاعراف:۱۵۷)

"اور اس طوق وزنجیر کو جو شدید احکام کی، ان کی گردن پر پڑی ہوئی تھی، علیحدہ کرتا ہے۔"

اور روزوں کے حکم کے بعد خاص طور پر فرمایا:

يُرِيدُ اللَّهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيدُ بِكُمُ الْعُسْرَ

"خدا تمہارے ساتھ آسانی چاہتا ہے، سختی نہیں۔"

☆ اسلام نے صیام کے سلسلہ میں جو آسانیاں اُمتِ مسلمہ کے لئے پیش کی ہیں، ان کے مطالعہ سے اس آیت کی پوری پوری تشریح سامنے آجاتی ہے، مثلاً اسلام کے سوا دوسرے مذاہب میں شب وروز کا روزہ ہوتا تھا، اسلام نے روزے کی مدت صرف صبح صادق سے شام تک قرار دی

حَتَّى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْأَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْأَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ ثُمَّ أَتِمُّوا الصِّيَامَ إِلَى اللَّيْلِ

"کھاؤ پیو یہاں تک کہ رات کے تاریک خط سے صبح کا سپید خط ممتاز ہوجائے۔ پھر روزے کو ابتدائے شب (شام) تک پورا کرو۔" (البقرۃ:۱۸۷)

بعض لوگ عمر بھر روزے رکھتے تھے، اسلام نے اس کو بالکل ممنوع قرار دیا۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

"جس نے ہمیشہ روزہ رکھا، اس نے کبھی روزہ نہیں رکھا"

☆ ایامِ صیام میں رات کو سوجانے کے بعد پھر کھانا حرام تھا، اسلام نے اس کو منسوخ قرار دیا جیسا کہ بخاریؒ کی روایت ہے کہ صحابہ کرامؓ ابتدائے اسلام میں جب روزہ رکھتے اور افطار کا وقت آجاتا اور وہ افطار کرنے سے پہلے سوجاتے تو پھر رات بھر اور دن بھر دوسرے دن کی شام تک کچھ نہ کھاتے۔ اس اثنا میں قیس بن صرمہ انصاری جو روزہ سے تھے، افطار کا وقت آیا تو وہ اپنی بیوی کے پاس آئے اور ان سے پوچھا کہ تمہارے پاس کچھ کھانے کو ہے، انہوں نے کہا: ہے تو نہیں لیکن چل کر ڈھونڈتی ہوں، قیس دن بھر کام کر کے تھکے تھے، سو گئے۔ بیوی آئیں تو افسوس کر کے رہ گئیں، جب دوپہر ہوئی تو قیس کو غش آگیا، یہ واقعہ آنحضرت سے بیان کیا گیا، اس وقت یہ آیت نازل ہوئی:

وَكُلُوا وَاشْرَبُوا حَتَّى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْأَبْيَضُ

"کھاؤ پیو، یہاں تک کہ رات کے تاریک خط سے صبح کا سپید خط ممتاز ہوجائے۔" (البقرۃ:۱۸۷)

☆ اسلام سے پہلے ایامِ صیام کی پوری مدت میں مقاربت سے محترز رہتے تھے لیکن چونکہ یہ ممانعت انسان کی فطری خواہش کے بالکل منافی تھی، اس لئے اکثر لوگ اس میں خیانت کے مرتکب ہوتے تھے۔ اسلام نے اس حکم کو صرف روزہ کے وقت تک محدود رکھا جو صبح سے شام تک کا زمانہ ہے۔ فرمایا:

"تمہارے لئے روزہ کی شب اپنی بیویوں سے مقاربت حلال کی گئی، تمہارا ان کا ہمیشہ کا ساتھ ہے۔ خدا جانتا ہے کہ تم اس میں خیانت کرتے تھے، پس اس نے تم کو معاف کردیا۔ اب ان سے ملو جلو اور خدا نے تمہاری قسمت میں جو لکھا ہے، اس کو ڈھونڈو۔"

☆ اسلام میں بھول چوک اور خطا ونسیان معاف ہے، رسول اللہ ﷺ نے اُمتِ مسلمہ کو اس شرف سے مخصوص کرتے ہوئے فرمایا:

"میری امت سے خطا ونسیان معاف کیا گیا"

اس لئے اگر حالتِ صوم میں کوئی شخص بھول چوک سے کچھ کھالے یا پی لے، تو اس سے روزہ نہیں ٹوٹتا، آپ ﷺ نے فرمایا:

"جو بھول کر کھا پی لے تو اس کا روزہ نہیں ٹوٹے گا، وہ تو خدا کی روزی ہے۔"

☆ اسی طرح وہ افعال جو گو روزہ کے منافی ہیں لیکن انسان سے قصداً سرزد نہیں ہوئے بلکہ وہ اس میں مجبور ہے۔ مثلاً محتلم ہوجانا، بلا قصد قے ہوجانی،

ان چیزوں سے بھی نقص صوم نہیں ہوتا۔ بعض لوگ اس حدیث کی بنا پر کہ "ایک بار آپ ﷺ کو استفراغ (قے) ہوا تو آپ ﷺ نے روزہ توڑ دیا" یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ استفراغ ناقض صوم ہے، حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ آپ ﷺ نے نفلی روزہ رکھا تھا۔ اتفاقی استفراغ سے بنظر ضعف آپ نے روزہ توڑ دیا جیسا کہ امام ترمذیؒ نے "جامع ترمذی" میں لکھا ہے۔

☆ اسلام سے پہلے دوسرے ادیان میں بوڑھوں، کمزوروں، بیماروں اور معذوروں کے لئے کوئی استثنا نظر نہیں آتا، لیکن اسلام نے ان تمام اشخاص کو مختلف طریق سے مستثنیٰ قرار دیا۔ بیمار اور مسافر کے لئے فرمایا کہ وہ رمضان کے علاوہ اور دنوں میں قضا روزے رکھ لیں۔

☆ عورتوں کے فطری عذرات کا لحاظ کرتے ہوئے ان کے ایام عادیہ، ایام حمل اور ایام رضاعت میں رمضان کے روزے معاف کر دیئے اور ان کے بجائے دوسرے دنوں میں روزوں کی قضا یا فدیہ مقرر کر دیا۔

سوم: روزہ کے نتائج

مقصد صوم اور اس کے نتائج کے تشریح کے لئے آیات ذیل عنوان کے مندرجہ ذیل جملوں کی طرف توجہ فرمایئے۔

لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ "تا کہ تم متقی بن جاؤ"

لِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدٰىكُمْ "اللہ نے جو تم کو راہِ راست دکھائی ہے اس پر اللہ کی تکبیر و تقدیس کرو۔"

وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ۔

"تا کہ تم اس نزول خیر و برکت پر خدا کا شکر بجالاؤ"

ان آیات سے معلوم ہوا کہ روزہ کے مقصد اور اس کے نتائج و آثار میں ان تین چیزوں کا ہونا ضروری ہے:

(۱) اِتقا (۲) تکبیر و تقدیس (۳) حمد و شکر

اگر روزہ دار نے اپنی زندگی میں روزہ کے نتائج کے طور پر ان تینوں اُمور کو نہ پایا تو پھر یہ نہیں کہا جا سکتا کہ روزہ رکھا گیا اور اس فرض کی انجام دہی ہوگی۔

کیونکہ انسانی اعمال و اشغال کا وجود فی الحقیقت ان کے نتائج و آثار کا وجود ہے۔ اگر نتائج و آثار ظہور پذیر نہ ہوئے پھر یہ نہ کہئے کہ ان اعمال کا وجود تھا۔ اگر آپ دوڑتے چلے جا رہے ہیں کہ راستہ ختم ہو اور منزل قریب ہو، لیکن آپ غلطی سے بھٹک کر دوسرے راستہ پر جا پڑتے ہیں، جس سے آپ کی مسافت لمبی اور منزل دور تر ہوتی جاتی ہے، تو آپ کی سعی لاحاصل اور ساری تگ و دو عبث ہوتی ہے اور کوئی نہیں کہہ سکتا کہ آپ نے مسافت طے کر لی اور منزل پر پہنچ گئے۔ علیٰ ہذا القیاس اگر روزہ دار روزہ رکھتا ہے، کھانے پینے اور جماع سے پرہیز کرتا ہے، لیکن روزہ کے نتائج یعنی اِتقا، تکبیر و تقدیس اور شکر و حمد الٰہی اس کے اندر نمایاں نہیں ہوتے تو اس کو روزہ دار نہیں کہا جا سکتا۔ ہم یہ کہیں گے کہ وہ فاقہ کش ہے، وہ پیاسا ہے، لیکن افسوس کہ اس کی گرسنگی (بھوک) اور تشنگی کی حیثیت اس پھول سے زیادہ کچھ نہیں جس میں رنگ و بو نہیں۔ یقیناً اس روزہ دار کی مثال ایک بے جوہر آئینہ اور بے روح جسم کی ہے اور ہر شخص سمجھتا ہے کہ ایک جسم بے روح، ایک آئینہ بے جوہر، ایک بے رنگ و بو گل ایسی چیزیں ہیں جن کی کوئی قدر و قیمت نہیں، اسکی کوئی حقیقت نہیں، اسی حقیقتِ کبریٰ کی طرف نبی اکرم ﷺ نے اشارہ کیا ہے:

"کتنے روزہ دار ہیں جن کو روزہ سے بجز بھوک اور پیاس کے کچھ حاصل نہیں ہوتا اور کتنے رات کا قیام کرنے والے ہیں جن کو نماز سے جاگنے کے سوا کچھ فائدہ نہیں۔"

یہ کون بد قسمت لوگ ہیں؟ یہ وہ لوگ ہیں جن کے پیٹ نے روزہ رکھا لیکن دل نے روزہ نہیں رکھا، ان کی زبان پیاسی تھی لیکن دل پیاسا نہ تھا، پس یہ لوگ کیونکر حوضِ کوثر سے اس دن اپنی پیاس بجھانے کی توقع رکھتے ہیں جس دن ہر ایک کی زبان پر **العطش العطش** ہوگا۔

آج روزہ داروں کی کتنی محفلیں ہیں کہ ان میں غیبت کا مشغلہ نہیں اور وہ سمجھتے ہیں کہ اس گناہ کی آلودگی اور ارتکاب سے روزہ نہیں ٹوٹتا، حالانکہ وہ اپنا روزہ توڑ چکے ہیں، لیکن وہ نہیں سمجھتے کہ وہ روزہ توڑ رہے ہیں:

"روزہ دار صبح سے شام تک عبادتِ خدا میں ہے، جب تک کسی کی غیبت نہ کرے اور جب وہ کسی کی برائی کرتا ہے تو اپنے روزہ کو پھاڑ ڈالتا ہے۔" (دیلمی)

وہ سمجھتے ہیں کہ نفس کی اطاعت اور ہوا و ہوس کی بندگی اور عمل شر، منافی روزہ نہیں، لیکن ان کو سچا سمجھا جائے یا اس ہادیٔ برحق کو جس نے فرمایا:

"روزہ کھانے پینے سے پرہیز کا نام نہیں بلکہ لغو اور عمل شر سے پرہیز کا نام ہے۔"

جو لوگ جھوٹ اور عمل بد کو روزہ کے لئے مضر نہیں خیال کرتے اور دن بھر روزہ کے ساتھ اس میں مصروف رہتے ہیں، ان کو اپنی طرف سے کیا کہا جائے۔ حدیث نبوی ﷺ ہے:

"جو روزہ کی حالت میں جھوٹ اور جہالت کے کاموں کو نہیں چھوڑتا تو خدا کو کوئی ضرورت نہیں کہ یہ روزہ دار بے کار اس کے لئے اپنا کھانا پینا چھوڑ دے"

پس اچھی طرح سمجھ لینا چاہیے کہ روزہ کی حقیقت کیا ہے۔ روزہ ایک ملکوتی حالت کے ظہور کا نام ہے۔ صائم کا جسم انسان ہوتا ہے لیکن اس کی روح فرشتوں کی زندگی بسر کرتی ہے جو نہ کھاتے ہیں، نہ پیتے ہیں۔

وہ تمام مادیت عالم سے پاک اور ضروریات دنیوی سے منزہ اور مصروف تسبیح وتحمید تقدیس ہوتے ہیں۔ اس لئے صائم بھی کھاتا ہے، نہ پیتا ہے۔ وہ مادیات سے پاک اور ضروریات دنیوی سے منزہ رہنے کی، جہاں تک اس کی خلقت اور فطرت اجازت دیتی ہے، کوشش کرتا ہے۔ پس صائم مجسم نیکی ہوتا ہے، وہ کسی کی غیبت نہیں کرتا، وہ کسی کو برا نہیں کہتا، وہ کسی سے جہالت نہیں کرتا، وہ اس حکم کی تعمیل کرتا ہے:

''تم میں سے جب کسی کے روزے کا دن ہو تو نہ بد گوئی کرے، نہ شور غل کرے، اگر اسے کوئی بُرا کہے یا اس سے آمادۂ جنگ ہو تو کہہ دے، میں روزہ سے ہوں''

روزہ فی الحقیقت نفس کشی کے لئے بہترین حربہ ہے اور شیطانی حملوں کی مدافعت کے لئے بہترین سپر ہے۔ وہ دنیا میں بھی سپر ہے اور آخرت میں بھی سپر ہے، دنیا میں بغاوت نفس کے لئے اور آخرت میں جہنم کے حملوں کے لئے اور کیوں نہ ہو جبکہ روزہ خیر محض اور نیکی خالص ہے اور روزہ کی جزا خود اللہ دینے والا ہے۔

حدیث قدسی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''انسان کا تمام عمل اس کے لئے ہے لیکن روزہ میرے لئے ہے، میں اس کی جزا دینے والا ہوں اور روزہ سپر ہے۔''

پس مبارک اور خوش قسمت ہے وہ جو اس سپر کو لے کر دنیا کے کارزار اعمال میں آتا ہے اور خدا کی رحمت کا مستحق ہوتا ہے، کیونکہ یہ شرف روزہ داروں کو ہی حاصل ہے کہ جب رمضان المبارک آتا ہے تو ان کے لئے رحمتِ خداوندی کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں اور جہنم کے دروازے بند کر دیئے جاتے ہیں، جیسا کہ اس صادق ومصدوق نے فرمایا:

''جب رمضان شروع ہوتا ہے تو جنت کے دروازے اور دوسری روایت میں رحمت کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں اور جہنم کے دروازے بند کر دیئے جاتے ہیں اور شیاطین کو جکڑ دیا جاتا ہے۔''

پس مبارک ہے وہ جو روزہ کو سپر بنا کر شیاطین کے حملوں سے اپنے کو بچاتا ہے۔ مبارک ہے وہ جس پر رحمتِ خداوندی کے دروازے کھل جاتے ہیں۔ مبارک ہے وہ جو ان ایام میں خدا کے لئے اپنے کھانے پینے اور جماع کو چھوڑتا ہے اور اس شرف سے مشرف ہوتا ہے جس کا اعلان اشرف الانبیاء حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ نے اپنی زبان حق سے فرمایا:

''ابن آدم کے ہر نیک کام کا بدلہ دس سے سات سو نیکیوں تک دیا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: مگر روزہ اس سے مستثنیٰ ہے، وہ میرے لئے ہے، میں اس کا بے حساب اجر دوں گا، کیونکہ روزہ دار میرے لئے اپنی شہوانی خواہشات اور کھانے پینے کو چھوڑتا ہے۔'' ❁

(بشکریہ ہفت روزہ توحید، امرتسر۔۱۳، فروری ۱۹۲۹)

قرآن اور اکیسویں صدی

احسن اقبال

آج ہم حیران کن تبدیلیوں اور فیصلہ کن لمحات کے دور سے گزر رہے ہیں۔ ہمارا ہر قدم آنے والی کئی نسلوں کے مستقبل کی تقدیر لکھ رہا ہے۔ ایسے مواقع، امکانات اور حالات صدیوں میں ایک مرتبہ پیدا ہوتے ہیں جب دنیا کے سیاسی اور اقتصادی ڈھانچے کی تشکیل کرتی ہے اور اب ۲۱ ویں صدی کے دروازے پر تاریخ نے ہمیں اسی ایک انوکھے لمحے کے سامنے لا کھڑا کیا ہے یہ لمحہ وہ ہے جب تاریخ کامیاب اور ناکام قوموں کی ایک نئی فہرست مرتب کر رہی ہے۔ چیلنجوں اور امکانات سے بھرپور اس منظر میں ہمارے لئے اصل چیلنج یہ نہیں کہ پاکستان یا اسلام کو زندہ کیوں کر رکھنا ہے۔ کیونکہ پاکستان اور اسلام کی بقا کا انتظام خود خالق کائنات نے کیا ہے۔ مخلوق کے لئے اصل چیلنج یہ ہے کہ خدا کے نزدیک اس نازک ترین مرحلے میں ہمارے کردار کی قیمت کیا قرار پائے گی۔ گویا اصل چیلنج خدا کے دربار میں سرخرو ہونے کا چیلنج ہے اور یہ خود خدا کے فضل و کرم کے بغیر پورا نہیں کیا جا سکتا۔ اس فیصلہ کن موڑ پر تاریخ، اقوام عالم کی بقا کا انحصار بدلتی ہوئی دنیا میں خود کو نئے تقاضوں کے مطابق ڈھالنے میں ہوگا۔ اپنے تجربے کی روشنی میں، میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ اسلام کی بقا اور سربلندی کے لئے جن گروہوں کا نام اس فہرست میں نمایاں طور پر شامل ہوگا، ان میں، مغربی ممالک میں آباد مسلم برادری سرفہرست ہوگی۔ آپ کو یہ بات سن کر تعجب ہوگا لیکن حقیقت یہ ہے کہ مغرب میں بسنے والی مسلم برادری نے اب زبردست تہذیبی قوت اور شاندار سماجی حیثیت حاصل کر لی ہے اور اس طرح وہ اس پوزیشن میں آ گئے ہیں کہ عقائد پر پختگی سے کاربند رہنے کے ساتھ ساتھ جدید ذرائع ابلاغ اور فکر و عمل کے ذریعے اسلام کی نشاۃ ثانیہ کے خواب کی تعبیر دنیا کے سامنے مجسم کر سکیں۔ گویا ایک مرتبہ پھر تاریخ فرعون کے گھر موسیٰ کی پرورش کر رہی ہے۔ یہ حقیقت آزاد مسلم معاشروں میں بسنے والے مسلمانوں کے لئے بلاشبہ ایک چیلنج ہے۔ ۲۱ ویں صدی علم ابلاغ کی صدی ہوگی۔ اس سے پہلے تاریخ عالم، زرعی انقلاب اور صنعتی انقلاب کا مشاہدہ کر چکی ہے۔ اب تاریخ کی نظریں علمی انقلاب پر مرکوز ہیں۔ یہ ہمارے لئے المیہ ہے کہ ایک ایسے مذہب کے علمبردار ہونے کے باوجود جو "اقرا" سے شروع ہوا اور ایسی شخصیت کے پیروکار ہونے کے باوجود جو غیر مسلم قیدیوں کو مسلمانوں کو تعلیم دینے کی صورت میں آزاد کرنے کا حکم دیتی ہے۔ ہم اس میدان میں بہت پیچھے رہ گئے ہیں حالانکہ قرآن بذات خود علم ہی کا ایک معجزہ ہے۔ اگر ہم ذرائع ابلاغ پر نظر ڈالیں تو ہم یہ دیکھتے ہیں کہ انفارمیشن ٹیکنالوجی نے دنیا کو ایک عالمی گاؤں تشکیل دینے میں اہم ترین کردار ادا کیا ہے۔ اب ایک دس سال کا بچہ چند منٹ کے اندر ان معلومات تک رسائی حاصل کر سکتا ہے جو آج سے پندرہ برس پہلے ترقی یافتہ ملک کا سربراہ اپنے تمام اسٹاف کی دن رات محنت کے بعد دو ہفتے میں حاصل کر پاتا تھا۔ دنیا بھر میں انفارمیشن کا ایک ہی سگنل سیاروں کے ذریعے دیکھا جا رہا ہے جس کے نتیجے میں نئی معاشرتی، سیاسی اور اقتصادی حقیقتیں پیدا ہو رہی ہیں۔ بدقسمتی سے ہم ان تکنیکی تبدیلیوں اور حقیقتوں سے چشم پوشی کر رہے ہیں جبکہ ہمیں ابلاغ عامہ کے تمام جدید طریقوں کو قرآنی فکر اور تعلیم کی اشاعت کے لئے استعمال کرنا چاہئے جیسا کہ دیگر مذاہب کر رہے ہیں۔ اس کی ایک صورت یہ ہو سکتی ہے کہ قرآن کا پیغام دنیا بھر میں نشر کرے۔ انسان کی ہوشربا ترقی نے ایک ایسی دنیا کو جنم دیا ہے جس کی فیصلہ کرنے اور ان پر عمل درآمد کرنے کی رفتار بہت تیز ہے اور دوسری طرف کوئی نمایاں تہذیب ان تبدیلیوں سے انسانی تمدن پر پیدا ہونے والے اثرات سے عہدہ برا ہونے کی صلاحیت نہیں رکھتی۔ یوں ایک تہذیبی خلا پیدا ہو چکا ہے۔ جس کو جلد یا بدیر پر ہونا ہے یہ تہذیبی خلا اسلام ہی پر کر سکتا ہے بشرطیکہ اس کے پیروکار اس خلا کو پر کرنے کے عصری تقاضے پورے کر سکیں۔ یہ عصری تقاضے کیا ہیں؟ ان سب میں سے اہم قرآن کے الفاظ "احسن تقویم" (بہترین صورت) یا Excellence کا حصول ہے چونکہ خدا نے انسان کو "احسن تقویم" میں پیدا کیا ہے اس لئے اس صورت کو زندگی کے تمام انفرادی اور اجتماعی معاملات میں قائم رکھنا ہماری ذمہ داری ہے۔ یہ اہلیت ہمیں انفرادی سطح پر تو کسی حد تک نظر آتی ہے مگر اجتماعی سطح پر اس کا وجود نایاب ہے۔ اسی اجتماعی لیاقت کو پیدا کرنے کے لئے ایسے اداروں کا قیام بہت ضروری ہے جو مسلمانوں کو بلند فکری اور آزادانہ تخلیقی سوچ عطا کر سکیں تاکہ ہم اپنے مذہب کو عصری چیلنجوں کا جواب دینے کے لئے دنیا کے سامنے موثر انداز میں پیش کر سکیں۔ دنیا میں قیادت کا جھنڈا اپنے ہاتھ میں لینے کے لئے یہ اقدام لازمی ہے بدقسمتی سے ہمارے مذہبی تعلیم کے ادارے آج صدیوں پرانے نصاب پڑھا رہے ہیں جبکہ انہیں عہد حاضر کے تقاضوں کے مطابق ڈھالنے کی ضرورت ہے اسی طرح ہمارے ہاں تخلیقی اور تحقیقی روایات کو پروان چڑھانے کا کلچر ناپید ہو چکا ہے جو قرآن کی روح کے سراسر منافی ہے۔ قرآن کی تعلیمات کا نچوڑ تو فکر اور تدبر ہی ہے۔ آخر میں یہ دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ قرآن آسان تحریک کو قرآنی پیغام گھر گھر پہنچانے کے مقصد میں کامیاب کرے اور مسلمان قرآن مجید کی تلاوت کے ساتھ ساتھ اسے اپنی زندگی کا ناگزیر حصہ بنالیں میں اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتا ہوں اس عذاب سے جو قول و فعل میں تضاد کی صورت میں دیا جائے گا۔

حضرت ہود علیہ السلام

شفاعت رسول ہاشمی

حضرت ہود علیہ السلام کا سلسلہ نسب

☆ حضرت ہودؑ اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ پیغمبر تھے جنکو اللہ تعالیٰ نے قوم عاد کی طرف مبعوث فرمایا۔ حضرت ہود علیہ السلام عاد کی سب سے زیادہ معزز شاخ خلود کے ایک فرد تھے۔ عاد بغیر کسی اختلاف کے عرب نژاد تھے اور لفظ عاد عربی ہے نہ کہ عجمی جسکے معنی عبرانی میں ''بلند و مشہور'' کے ہیں۔ ابن عساکر نے حضرت ابن عباسؓ کا ایک اثر نقل کیا ہے کہ ہودؑ پہلے وہ شخص ہیں جنھوں نے عربی زبان میں گفتگو کی۔ قرآن عزیز میں عاد کے ساتھ ارم کا لفظ لگا ہوا ہے اور ارم (سام) کے معنی بھی 'بلند و مشہور'' ہی کے ہیں۔ انہی عاد کو توراۃ کی غلط پیروی میں کہیں کہیں عمالقہ بھی کہا گیا ہے۔ آپ حضرت نوحؑ کے بیٹے سام کی نسل سے تھے۔ آپ کے والد کا نام سلح تھا۔ جنہوں نے حسب بیان توراۃ چار سو چونسٹھ (۴۶۴) سال کی عمر پائی توراۃ میں آپکا عبرانی نام عبر (EBER) بتایا گیا ہے۔ آپ سرخ و سپید رنگ اور وجیہہ تھے۔ آپکی داڑھی بڑی گھنی تھی۔ آپ کے دو بیٹے تھے ایک کا نام یقطان (قحطان) اور دوسرے کا نام فلج تھا۔ آپ کا نسب نامہ اسطرح بنتا ہے۔ حضرت ہود (عبر) بن سلح بن ارفکسر بن سام بن نوح علیہ السلام (بحوالہ توراۃ کتاب پیدائش باب ۱۰)

قرآن پاک میں حضرت ہودؑ کا تذکرہ

قرآن پاک میں حضرت ہود علیہ السلام کا سات جگہ ذکر ہے۔

سورۃ الاعراف	۶۵
سورۃ ہود	۵۰،۵۳،۵۸،۶۰،۸۹
شعرآء	۱۲۴

قرآن پاک میں قوم عاد کا ذکر (گیارہ جگہ)

سورۃ	آیات	سورۃ	آیات
الاعراف	۶۵	ذاریات	۴۱
ہود	۵۰،۵۹،۶۰	القمر	۱۸
شعرآء	۱۲۴	الحاقہ	۷
حم السجدہ	۱۵	الفجر	۶
احقاف	۲۱		

نوٹ: سورہ مؤمنون کی آیت نمبر ۳۱ میں بغیر نام لئے ایک قوم کو جو نوحؑ کے بعد آئی مخاطب کیا ہے مفسرین کے خیال میں یہ قوم عاد یا قوم ثمود کا ذکر ہے۔

قوم عاد

یہ وہ قوم ہے جس کی طرف حضرت ہود علیہ السلام مبعوث ہوئے۔ یہ قوم عاد بن ارم بن عوص بن سام بن نوح کی اولاد تھی۔ تقریباً اڑھائی سال قبل مسیح جزیرہ نمائے عرب کے جنوبی حصے میں (بلاد احقاف) جو سواحل خلیج فارس سے حدود عراق اور جنوب مغرب میں حضر موت اور یمن تک پھیلا ہوا تھا۔ ایک قوم آباد تھی جس کو عاد ارم کہتے ہیں۔ یہ قوم عاد اولیٰ بھی کہلاتی ہے۔ علامہ سید سلیمان ندوی مرحوم کی تحقیق کے مطابق اس قوم کے عروج کا زمانہ ۲۲۰۰ ق م سے ۱۷۰۰ ق م تک ہے۔ یہ لوگ بہت تنومند اور قد آور اور نہایت متمول اور خوشحال تھے۔ ان کو مال و دولت اور جسمانی قوت عطا کی گئی تھی۔ یہ بلند مقامات پر شاندار اور پر تکلف عمارتیں تعمیر کرتے تھے۔ مگر قوت اور دولت کے نشے نے ان کو خدا فراموش، گمراہ، بدکار اور ظالم بنا دیا تھا۔ ایک خدا کو چھوڑ کر بتوں کی پوجا کرتے تھے۔ اس گمراہی پر سختی سے قائم تھے اور اپنی قوت اور تمول کے نشے میں کمزوروں اور زیر دستوں کو ظلم و جور کا نشانہ بنا رکھا تھا۔

خداوند قدوس نے اُنکی طرف حضرت ہود علیہ السلام کو مبعوث فرمایا۔ حضرت ہود علیہ السلام نے ان کو اللہ تعالیٰ کے احسانات یاد دلا کر بہت کچھ وعظ و نصیحت کی۔ مگر انہوں نے ایک نہ سُنی۔ آخر کار سنت الٰہیہ کے مطابق اُن پر عذاب نازل ہوا اور یہ تباہ و برباد ہو گئے۔ کچھ لوگ جو ان پر ایمان لے آئے وہ بچے اور اُنکی اولاد ''عاد ثانیہ'' کے نام سے موسوم ہوئی۔ یہی عاد ثانیہ ثمود ہیں جو حضرت صالح علیہ السلام کی نافرمانی پر معذب ہوئے۔

تبلیغ اسلام

طاقت و سلطنت نے جب قوم عاد کو سرمست غفلت بنا دیا اور انہوں نے اپنے منعم حقیقی کو بھلا کر اپنے فرضی معبودوں کو آگے سر جھکا دیا تو اللہ تعالیٰ نے اُن ہی کی قوم میں سے حضرت ہود علیہ السلام کو دعوت حق کے لئے مبعوث فرمایا۔ انہوں نے نہایت شفقت و محبت کے ساتھ انہیں سمجھایا کہ اپنے فرضی معبودوں کو جنہیں تم نے برباد شدہ قوم نوح کی باطل پیروی میں اپنا خداوند بنا رکھا ہے چھوڑو اور خدائے واحد کے سوا جسکا مثل کوئی دوسرا نہیں ہے۔

کسی کی چوکھٹ پر اپنی گردن نہ جھکاؤ۔ تم خدا کے غضب سے ڈرو پرہیزگاری کی زندگی اختیار کرو۔ تم اللہ تعالیٰ کے بے شمار احسانات یاد کرو۔ اُس نے قوم نوح کی بربادی کے بعد تمہیں زمین کا وارث بنایا۔ اس نے تمکو جسمانی ڈیل ڈول اور سیاسی قوت و طاقت دی۔ ہونا یہ چاہیے تھا کہ تم اسکے احسانات کا شکر ادا کرتے مگر تم نے اسکو چھوڑ کر اپنے ہاتھوں سے گھڑے ہوئے نام نہاد بتوں کو اپنا خدا بنالیا اور خدا اور اسکے احکام کو چھوڑ بیٹھے۔ تم نے مخلوق خدا کو اپنے جسمانی و سیاسی طاقت کے بل بوتے پر کچلنا شروع کردیا اور شاندار عمارتیں اور دلکشا باغات اور فرحت افزا نہریں بنا کر گلچھڑے اڑانے اور بادۂ عشرت کے ساغر چھلکانے لگے۔ تم یہ سمجھتے ہو کہ یہ فانی زندگی ہمیشہ رہے گی۔ تمہیں موت نہ آئے گی۔ اور تمہیں خداوند جل وعلیٰ کے سامنے کھڑے ہو کر اپنے اعمال بد کی جواب دہی کرنی نہ ہوگی۔ مگر قوم عاد نے انتہائی نخوت وغرور کے ساتھ جواب دیا۔ ہم سے زیادہ طاقت وقوت کا مالک کون ہے؟ ہم کیوں نہ استعمال میں لائیں اور اس سے فائدہ اٹھائیں۔ ہمیں ہماری من مانی کرنے سے کون روک سکتا ہے؟ باقی رہا خدا اور اسکی جزاء وسزا کا معاملہ تو یہ سب پرانے ڈھکوسلے ہیں۔ مرنے اور خاک میں مل جانے کے بعد پھر کوئی کیسے زندہ ہوسکتا ہے۔ جو کچھ ہے یہ دنیاوی زندگی ہی ہے اور بس تم ہم جیسے انسان ہی تو ہو۔ پھر خود کو خدا کا پیغمبر کیسے بتاتے ہو اور خدا کے نام پر بہتان اٹھاتے ہو؟ دو ہی باتیں ہوسکتی ہیں یا دیدہ و دانستہ جھوٹ بولتے ہو یا بیوقوف ہو۔

حضرت ہودؑ نے ان سے کہا کہ نہ میں بیوقوف ہوں اور نہ پاگل۔ بلاشبہ خدا کا رسول اور پیغمبر ہوں۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی ہدایت کے لئے بیوقوف کو منتخب نہیں کیا کرتا کہ اُسکا نقصان اُسکے نفع سے بڑھ جائے اور ہدایت کی جگہ گمراہی آجائے۔ وہ اس عظیم الشان خدمت کے لئے اپنے بندوں میں سے ایسے شخص کو چُنتا ہے جو ہر طرح اسکا اہل ہو اور اس خدمت حق کو بخوبی انجام دے سکتے۔

اَللّٰهُ اَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهٗ

''اور اللہ خوب جانتا ہے کہ وہ اپنے منصب رسالت کو کس جگہ رکھے''

مگر قوم کی سرکشی اور مخالفت بڑھتی ہی رہی اور اُن پر آفتاب سے زیادہ روشن دلائل و نصائح کا مطلق اثر نہ ہوا اور وہ حضرت ہودؑ کی تکذیب وتذلیل کے اور زیادہ درپے ہو گئے اور (العیاذ باللہ) مجنون اور خبطی کہہ کر اور زیادہ مذاق اڑانے لگے اور کہنے لگے اے ہودؑ! جب سے تُو نے ہمارے معبودوں کو بُرا بھلا کہنا اور ہمکو اُنکی عبادت سے باز رہنے کے لیے تلقین کرنا شروع کیا ہے ہم دیکھتے ہیں اسوقت سے تیرا حال خراب ہوگیا ہے اور ہمارے خداؤں کی بد دعا سے تُو پاگل و مجنون ہوگیا ہے تو اَب ہم اسکے علاوہ تجھ کو کیا سمجھیں؟ ان کو اپنی اس گستاخانہ جرأت وتہمت سے یہ خیال ہو چلا تھا کہ اَب کوئی شخص حضرت ہود علیہ السلام کی طرف دھیان نہ دیگا اور اُن کی باتوں کو توجہ سے نہ سُنے گا۔

حضرت ہود علیہ السلام نے یہ سب کچھ نہایت ضبط وصبر سے سُنا اور پھر ان سے یوں مخاطب ہوئے: ''میں خدا کو اور تم سب کو گواہ بنا کر سب سے پہلے یہ اعلان کرتا ہوں کہ میں اس اعتقاد سے قطعاً بری ہوں کہ ان بتوں میں یہ قدرت ہے کہ مجھ کو یا کسی کو کسی قسم کی بھی کوئی برائی پہنچا سکتے ہیں۔ اس کے بعد تمکو اور تمہارے ان معبودان باطل کو چیلنج کرتا ہوں کہ اگر ان میں ایسی قدرت ہے تو وہ مجھ کو نقصان پہنچانے میں جلدی سے اقدام کریں۔ میں اپنے خدا کے فضل و کرم سے صاحب عقل وخرد ہوں۔ فراست وکیاست کا مالک ہوں اور حکمت و دانائی کا حامل۔ میں تو صرف اپنے اس خدا پر ہی بھروسہ کرتا اور اسی پر وثوق رکھتا ہوں جسکے قبضہ قدرت میں کائنات کے تمام جانداروں کی پیشانیاں ہیں اور جو حیات وممات کا مالک ہے، وہ ضرور میری مدد کریگا اور ہر نقصان پہنچانے والے کے نقصان سے محفوظ رکھے گا''

آخر حضرت ہودؑ نے انکی مسلسل بغاوت وسرکشی کے خلاف یہ اعلان کردیا کہ عاد کا رویہ یہی رہا اور حق سے اعراض و روگردانی کی روش میں انہوں نے کوئی تبدیلی نہ کی اور میری پند ونصائح کو گوشِ دل سے نہ سنا تو میں اگرچہ اپنی مفوضہ خدمت کے لئے ہر وقت چست کمر اور باہمت ہوں مگر ان کے لئے ہلاکت یقینی ہے۔ اللہ تعالیٰ عنقریب انکو ہلاک کردیگا اور ایک دوسری قوم کو زمین کا مالک بنا کر انکی جگہ قائم کردیگا اور بلاشبہ وہ اللہ تعالیٰ کو ذرہ برابر بھی نقصان نہیں پہنچا سکتے، وہ تو ہر شے پر قادر ومسلط اور ہر شے کا حافظ ونگہبان ہے اور کائنات اسکے ید قدرت میں مسخر ہے۔

اے قوم! اب بھی سمجھ اور عقل وہوش سے کام لے۔ قوم نوح کے حالات سے عبرت حاصل کر اور خدا کے پیغام کے سامنے سر نیاز جھکا دے ورنہ قضاء وقدر کا ہاتھ ظاہر ہو چکا ہے اور بہت قریب ہے وہ زمانہ کہ تیرا یہ سارا غرور وگھمنڈ خاک میں مل جائے

گا اور اسوقت ندامت سے بھی کوئی فائدہ نہ ہوگا۔

حضرت ہودؑ نے بار بار انکو یہ بھی باور کرایا کہ میں تمہارا دشمن نہیں ہوں دوست ہوں۔ تم سے زر وسیم اور ریاست کا طالب نہیں ہوں بلکہ تمہاری فلاح و نجاح چاہتا ہوں۔ میں اللہ تعالیٰ کے پیغام کے بارہ میں خائن نہیں بلکہ امین ہوں۔ وہی کہتا ہوں جو مجھ سے کہا جاتا ہے۔ جو کچھ کہتا ہوں قوم کی سعادت اور حسنِ حال و مآل کے لئے کہتا ہوں بلکہ دائمی وسرمدی نجات کے لئے کہتا ہوں۔ تم کو اپنی ہی قوم کے ایک انسان پر خدا کے پیغام نازل ہونے سے اچنبھا نہیں ہونا چاہیے کیوں کہ یہ قدیم سے خدا کی سنتِ جاریہ ہے کہ انسانوں کی ہدایت وسعادت کے لیے ان ہی میں سے ایک شخص کو چُن لیتا اور اپنا رسول بنا کر اسکو خطاب کرتا ہے اور اپنی مرضیات ونامرضیات سے اسکی معرفت اپنے بندوں کو مطلع کرتا رہتا ہے اور فطرت کا تقاضا بھی تو یہی ہے کہ کسی قوم کے رشد و ہدایت کے لیے ایسے شخص کا ہی انتخاب کیا جائے جو بول چال میں ان ہی کی طرح ہو۔ انکے اخلاق و عادات کا واقف ودانا ہو۔ انکے خصوصی امتیازات سے آشنا اور ان ہی کے ساتھ زندگی گزارتا رہا ہو کہ اسی سے قوم مانوس ہوسکتی ہے اور وہی انکا صحیح ہادیٔ مُشفق بن سکتا ہے۔

عاد نے جب یہ سنا تو وہ غم وغصہ میں آگئے کہ کسطرح ہم باپ دادا کی ریت ''اصنام پرستی'' کو چھوڑ دیں؟ یہ تو ہماری اور ہمارے باپ دادا کی سخت توہین ہے۔ آخر کار وہ بھڑک اٹھے اور حضرت ہود علیہ السلام سے بگڑ کر کہنے لگے تُو نے ہمکو اپنے خدا کے عذاب کی دھمکی دی اور ہم کو اس سے یہ کہہ کر ڈرایا:

''میں تمہارے اوپر بڑے دن کے عذاب آنے سے ڈرتا ہوں (کہ کہیں تم اسکے مستحق نہ ٹھہر جاؤ)۔'' (شعراء:۲۶)

تو اے ہودؑ! اب ہم سے تیری روز روز کی نصیحتیں نہیں سنی جاتیں۔ ہم ایسے ناصح مشفق سے باز آئے۔ اگر تُو واقعی اپنے قول میں سچا ہے تو وہ عذاب جلد لے آ کہ ہمارا تیرا قصہ پاک ہو۔

''پس لا تو ہمارے پاس اس شے کو جسکا تو ہم سے وعدہ کرتا ہے اگر تُو واقعی سچوں میں سے ہے۔'' (اعراف:۷۰)

حضرت ہود علیہ السلام نے جواب دیا کہ اگر اتنا ہی شوق ہے تو وہ بھی کچھ دور نہیں۔

''بلاشبہ تمہارے پروردگار کی جانب سے تم پر عذاب و غضب آپہنچا۔'' (اعراف:۷۱)

الحاصل جب قوم ہود (عاد) میں اصلاح پذیری اور قبول ایمان کی اہلیت بالکل ختم ہوگئی تو نزول عذاب کا وقت آگیا اور گہرے بادل آسمان پر چھا گئے۔ قوم کے لوگ اس خیال سے خوش ہوئے کہ اَب خوب بارش ہوگی اور پیداوار اور خوشحالی میں اضافہ ہوگا۔ مگر حضرت ہود علیہ السلام نے متنبہ کیا کہ یہ عذاب الٰہی ہے اور تمہاری ہلاکت کا سامان ہے۔ اس پر بھی بدنصیب قوم کی آنکھیں نہ کھلیں آخر غیرت خداوندی کو حرکت ہوئی اور عذاب الٰہی ایک نہایت شدید اور ہیبت ناک آندھی کی صورت میں نازل ہوا۔ یہ آندھی مسلسل آٹھ دن اور سات رات تک چلتی رہی۔ اسکی ہولناکی اور ہلاکت خیزی کا یہ عالم تھا کہ چھتیں اُڑ گئیں۔ مکان منہدم ہوگئے۔ پیڑ جڑوں سے اُکھڑ کر کہیں سے کہیں جا پڑے اور اُس نے قوی ہیکل انسانوں کو، جو اپنی جسمانی قوتوں کے گھمنڈ میں سرمست اور سرکش تھے، اٹھا اٹھا کر اس طرح پٹخا کہ گویا وہ اُکھڑے ہوئے کھجور کے پیڑوں کے کھوکھلے تنے ہیں۔ قوم عاد جب اس طوفان عذاب میں گری ہوئی تھی تو حضرت ہود علیہ السلام مؤمنین کی ایک مختصر جماعت کو لئے ایک باڑہ میں بیٹھے ہوئے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اسی ہوا کو جو کافروں کے سر کو جسم سے جدا کر رہی تھی۔ ان کے لئے رحمت وراحت کا سامان بنا دیا تھا۔

غرض کہ تمام ظالم اور بدکار لوگ ہلاک ہوگئے اور صرف ان کی بستیوں کے نشان اور کھنڈر دنیا کی عبرت کے لئے باقی رہ گئے۔ حضرت ہود علیہ السلام قوم کی بربادی کے بعد حضرموت کی طرف چلے گئے اور ایک روایت کے مطابق وہیں زندگی کے باقی ایام گذارے اور وہیں دفن ہوئے۔ حافظ ابن کثیر نے بحوالہ محمد بن اسحاق حضرت علیؓ کا ایک اثر نقل کیا ہے۔ کہ آپ نے حضرموت کے ایک شخص سے فرمایا کہ تم نے حضرموت کے فلاں مقام پر سرخ مٹی کا ایک ٹیلا دیکھا ہے جس پر بہت سی بیری اور جھاڑ کے درخت ہیں۔ حضری نے جواب دیا، جی ہاں وہ بالکل ایسا ہی ہے تو آپ نے فرمایا کہ ''اس جگہ حضرت ہود علیہ السلام کی قبر ہے۔ (تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۲۲۴)

نشانِ عبرت

قوم ہود کو اللہ تعالیٰ نے طاقت جسمانی، باغات، سرسبز وشاداب زمین سے نوازا، انہوں نے حضرت ہود علیہ السلام کے سمجھانے کے باوجود اللہ کا شکر ادا نہ کیا بلکہ بتوں کی پوجا کرتے رہے اور تکبرانہ رویہ اپنایا۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے ان کو عذاب دیکر صفحۂ ہستی سے مٹا دیا اور آنے والے لوگوں کے لئے نشانِ عبرت بنایا۔ ❁

حضرت علی المرتضیٰؓ کی شہادت

مزین رسول

☆ رمضان المبارک کے مہینے کا ایک نہایت اہم واقعہ حضرت علیؓ کی شہادت ہے امیر المومنین حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ حضور سرور کائنات کی پیاری صاحبزادی سیدہ فاطمۃ الزہراؓ کے شوہر نامدار، حضور اقدس ﷺ کے چچیرے بھائی اور رفیق و غمگسار تھے حضور سرکار دو عالم ﷺ اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ ایک ہی دادا حضرت عبدالمطلب کی اولاد تھے حضرت علی شیرِ خدا کے والد ماجد جناب ابو طالب حضور ﷺ کے والد مکرم حضرت عبداللہ کے سگے بھائی تھے یعنی ایک ہی ماں باپ سے تھے یہ وجہ تھی کہ حضرت عبدالمطلب نے اپنی وفات کے موقع پر جناب سرکارِ دو عالم احمد مجتبیٰ ﷺ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کو کفالت کے سلسلے میں حضرت ابوطالب کے سپرد کیا۔

نبی اقدس ﷺ نے اعلان نبوت فرمایا تو حضرت علیؓ نے اُسی روز حضرت خدیجۃ الکبریٰ، حضرت ابو بکر صدیقؓ، حضرت سیدہ زینبؓ بنتِ رسول، حضرت سیدہ رقیہ بنتِ رسول، سیدہ اُم کلثوم بنتِ رسول اور سیدہ فاطمۃ الزہرا بنتِ رسول، رسول کریم ﷺ کے غلام و خادم اور منہ بولے صاحبزادے حضرت زید بن حارثؓ یعنی حضور اقدس ﷺ کے اہلِ بیت والوں کیساتھ یعنی آپ ﷺ کے گھر والوں کیساتھ مشرف بہ اسلام ہوئے یوں یہ بات طے شدہ ہے کہ بچوں میں سب سے پہلے داخل اسلام ہونے والے بہادر صحابی حضرت علیؓ تھے۔ قبول اسلام کے وقت آپ کی دس برس تھی۔ مکی زندگی میں کفار نے قدم قدم پر آپ کو نشانہ ستم بنایا۔ جب حضور ﷺ نے ہجرت مدینہ کا ارادہ فرمایا تو آپ ﷺ کے بستر مبارک پر استراحت کا شرف بھی حضرت علیؓ کے حصے میں آیا یہ وہ موقع تھا جس میں زندہ رہنے یا جان کے بچ جانے کا کوئی امکان موجود نہ تھا مگر قربان جائیں اُس صادق وامین پیغمبر ﷺ کے جنہیں ہجرت جیسی کڑی آزمائش کے موقع پر بھی امانتیں لوٹانے کی فکر تھی اور قربان جائیں حضرت علیؓ جیسے جانثاروں پر کہ جنہیں پرواہ اور فکر اپنی جان بچانے کی نہیں بلکہ ناموس نبی ﷺ کی تھی جنہیں پاس اور لحاظ اُن وعدوں کا تھا اور فکر امانتیں لوٹانے کا جنہیں مان تھا حضور ﷺ کا بھائی ہونے پر اور جنہوں نے حق ادا کر دیا بھائی ہونے کا۔

ایک موقع پر حضور ﷺ نے حضرت علیؓ کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا ''اے علیؓ! تم میرے لیے ایسے ہی بھائی ہو جیسے حضرت موسیٰ کے لیے حضرت ہارونؑ تھے فرق صرف اتنا ہے کہ حضرت ہارون نبیؑ تھے اور میرے بعد کوئی نبی نہ ہوگا۔

علم وتقویٰ، خطابت وشجاعت، حکمت و معرفت، جرأت و بہادری اور محبتِ رسول ﷺ میں کوئی آپ کا ثانی نہ ہوا۔ مواخات مکہ میں نبی کریم ﷺ نے آپؓ کو اپنا بھائی بنایا۔ آپؓ ان چار خلفاء میں سے ہیں جنہیں حضور اکرم ﷺ نے راشدین کے لقب سے سرفراز فرمایا آپؓ ان چھ صحابہ میں پہلے ہیں جنہیں حضرت عمر فاروقؓ نے خلافت کے شایانِ شان سمجھا اور آپؓ ان عشرہ مبشرہ میں سے ہیں جنہیں جنت کی بشارت جناب سرور کونین ﷺ کی زبان مبارک سے اسی دنیا میں عطا ہوئی آپؓ حضرت امام حسنؓ اور امام حسینؓ کے والدِ ماجد اور جملہ مشاہدات میں حضور کے ہمدم وہم رکاب ہیں جنگ بدر میں کفار کے نو سردار یکے بعد دیگرے آپؓ ہی کی وار تلوار سے جہنم واصل ہوئے جنگ احد شروع ہوئی تو قریش کے علمبردار طلحہ نے حقارت اور طنز آمیز لہجے میں کہا کہ ہے کوئی جو مجھے جہنم میں پہنچائے یا قتل ہو کر جنت میں جائے؟ حضرت شیر خدا نے تلوار کے ایک ہی وار سے اسے جہنم کی راہ دکھادی۔ طلحہ کا بھائی عثمان آگے بڑھا تو حضرت حمزہؓ نے اسے بھی ڈھیر کر دیا۔ جنگ کے دوران جب حضور اقدس ﷺ کے دندانِ مبارک شہید ہوئے تو حضرت علیؓ شدید زخمی تھے مگر اس کے باوجود مستقل مزاجی صبر و ہمت اور پورے عزم اور بہادری سے لڑتے رہے اور آخر کار آنحضرت ﷺ سے دشمنوں کو ہٹانے میں کامیاب ہوئے۔ جنگِ خندق میں کافروں کے سردار عمرو عبدہ آپ ہی کے ہاتھوں جہنم رسید ہوا حدیبیہ کی گفت وشنید کے بعد معاہدۂ حدیبیہ لکھا جانے لگا تو کتابت کے لئے خاتم النبیین ﷺ نے آپؓ کو مقرر فرمایا۔

تحریر کے دوران حضرت علیؓ نے آپ ﷺ کا اسم مبارک محمد رسول اللہ لکھا جس پر قریش کے نمائندوں نے اعتراض کیا اور یہ دلیل پیش کی کہ ان کے جھگڑے کی بنیاد ہی رسالت ہے اس لیے وہ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے نام کیساتھ رسول اللہ کا لفظ تحریر نہ ہونے دینگے۔ حضور رحمۃ للعلمین ﷺ نے صلح جوئی اور مصلحت کی بنیاد پر حضرت علیؓ کو محمد رسول اللہ ﷺ کی بجائے محمد بن عبداللہ لکھنے کو کہا تو آپؓ نے بڑے ادب اور عقیدت و احترام سے عرض کیا کہ یہ میرا

عقیدہ ہے کہ میں رسول اللہ ﷺ لکھ کر مٹا نہیں سکوں گا اس واقعہ سے آپؓ کے عقیدے کی مضبوطی کا اندازہ ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں بھی ایسا ہی مضبوط عقیدہ عطا فرمائے۔ خیبر کی جنگ میں آپؓ نے بڑی جرأت کا مظاہرہ دکھایا۔ خیبر میں یہود کے چھوٹے چھوٹے کئی قلعے تھے۔ ان میں ایک قلعہ قموص ایسا تھا جو باوجود کوشش کے فتح نہیں ہو رہا تھا۔ سرورِ دو عالم ﷺ نے فرمایا کہ کل ایسے شخص کو جھنڈا دوں گا۔ جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کو محبوب رکھتا ہے اور اللہ اور رسول اسے محبوب رکھتے ہیں اور حق تعالیٰ اس کے ہاتھ پر فتح عطا فرمائے گا۔ (بخاری و مسلم)

ہر صحابی کی خواہش کہ یہ سعادت اسے نصیب ہو مگر جب مقررہ وقت آیا۔ تو وہ جھنڈا حضرت علیؓ ہی کو عطا کیا گیا۔ حضور نبی کریم ﷺ رؤف رحیم نے فرمایا کہ اے علیؓ! مجھے سرخ اونٹوں سے زیادہ محبوب ہو گا کہ تیرے ذریعے کوئی اسلام قبول کرے جنگ شروع ہوئی تو یہود کا شہزور مرحب آگے بڑھا اس کے مقابلے میں عامرؓ بن اکوع آئے مرحب نے ان پر وار کیا تو انہوں نے اپنی ڈھال پر روک لیا اور ساتھ ہی جوابی حملہ کیا ان کی تلوار چھوٹی تھی اس لئے وار پورا نہ پڑا اور خود ان کا پاؤں زخمی ہو گیا اکثر روایات میں ہے کہ سیدنا علیؓ بن ابی طالب اس کے مقابلے کو آئے اور اسے ایک ہی وار سے ڈھیر کر دیا۔ بھائی کا بدلہ لینے کی خاطر مرحب کا بھائی یاسر تیزی سے آپؓ کی طرف بڑھا۔ حضرت زبیرؓ نے اُسے حضرت علیؓ تک پہنچنے سے پہلے ہی قتل کر دیا۔ عام حملہ شروع ہوا تو آپؓ نے قلعہ کا دروازہ دھکا مار کر گرا دیا اور مسلمان قلعے میں داخل ہو گئے اور اس طرح آنحضرت ﷺ کی پیشگوئی پوری ہوئی۔

حضرت علیؓ نے کافی غزوۃ میں حضور نبی کریم ﷺ کے ساتھ حصہ لیا اور شیرِ خدا ہونے کی حیثیت سے ہر غزوہ میں کفار و مشرکین کو شکستِ فاش دی اور حضور ﷺ کے ساتھ کیے ہوئے وعدوں کا حق ادا کر دیا۔ آخر کار حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد اکابر مدینہ نے حضرت علیؓ کو خلیفہ مقرر کیا۔ اس کے بعد خانہ جنگی کا سلسلہ شروع ہو گیا حضرت علیؓ نے مدینہ چھوڑ کر کوفہ کو اپنا دارالخلافہ قرار دیا کیونکہ بدامنی عراق ہی سے شروع ہوئی تھی۔ وہیں سے شامیوں کے خلاف جنگ کرتے رہے۔ باغیوں اور منافقوں نے سازش تیار کی کہ حضرت علیؓ، امیر معاویہؓ اور عمرو بن عاص حاکم مصر۔ ان تینوں کو قتل کر دیا جائے چنانچہ تین آدمی اس کام کے لئے کوفہ، دمشق اور مصر پہنچے دو تو ناکام رہے لیکن ایک بدبخت جس کا نام عبدالرحمٰن ابن ملجم تھا، حضرت علیؓ کو شہید کرنے میں کامیاب ہو گیا۔ یہ ۲۰ رمضان ۴۰ ہجری کا دن تھا کہ حضرت علیؓ اپنے پیدا کرنے والے کے دربار میں سرخرو حاضر ہو گئے۔

ایک چھوٹا سا واقعہ جو کہ حضرت علیؓ کرم اللہ وجہہ ہی کی زندگی کے حوالے سے ہے کہ آپؓ کے ہمسائے میں رہنے والے بچے نے آپؓ کی شہادت کے بعد اپنے والد سے سوال کیا کہ ابا جان ہمارے گھر کے ساتھ والے گھر میں ایک درخت تھا وہ اب نظر نہیں آتا وہ کہاں گیا۔ ❁



بحق خواجہ عارفؒ خواجہ محمودؒ
کہ از عشق تو یک دم مے نیا سود

محمود اقبال

حضرت خواجہ عارف ریوگریؒ

☆ حضرت خواجہ عبدالخالقؒ کے چار خلفاء تھے۔

(۱) حضرت خواجہ احمد صدیقؒ (۲) حضرت خواجہ اولیائے کبیرؒ (۳) حضرت خواجہ سلمان کرینیؒ (۴) حضرت خواجہ عارف ریوگریؒ

لیکن حضرت خواجہ بہاؤ الدین بخاری نقشبندیؒ کی نسبت وارادت ان میں سے خواجہ عارفؒ تک پہنچتی ہے۔ حضرت خواجہ عارف ریوگریؒ حضرت خواجہ عبدالخالقؒ کے خلیفہ اعظم تھے۔ تاحیات حضرت خواجہ کی خدمت میں حاضر رہے اور کمالات باطنی حاصل کئے اور حضرت خواجہ غجدوانیؒ کی وفات کے بعد ان کی مسندِ ارشاد پر جلوہ افروز ہوئے اور طالبانِ حق کی ہدایت میں مصروف رہے۔

علم وحلم، زہد وتقویٰ، ریاضت ومجاہدہ اور اتباع سنت نبی کریم ﷺ کی تعلیم میں شانِ عالی رکھتے تھے اور ذکر الٰہی عشق سے کرتے تھے اور یہی ذکر آپؒ کی پہچان ہے۔

آپؒ نے ۶۱۶ ہجری کو انتقال فرمایا اور ریوگر (بخارا سے اٹھارہ میل دور) میں مدفون ہیں۔

حضرت خواجہ محمود انجیری فغنویؒ

آپؒ بمقام موضع انجیر فغنہ پیدا ہوئے۔ جو علاقہ بخارا میں وابکنہ کا ایک گاؤں ہے، میں رہا کرتے تھے اور ذریعہ معاش گل کاری تھا۔ آپؒ خواجہ عارف کے خلیفہ اعظم کے تمام اصحاب سے افضل واکمل تھے۔

بعد خلافت جب آپؒ مسند خلافت پر متمکن ہوئے تو طالبان حق کے حالات کے مطابق اور اس زمانہ کی مصالح کی بنا پر آپؒ نے اپنے مریدوں کو ذکر جہری کی تعلیم شروع کی۔ حالانکہ آپؒ کے خاندان میں ذکر خفی کا طریقہ رائج تھا۔ کیونکہ حضرت خواجہ عارفؒ نے ایک بار فرمایا تھا کہ ایک وقت ایسا کرنے والا ہے۔ جبکہ بنا بر مصلحت طالبان حق کو ذکر جہر اختیار کرنا پڑے گا۔

چنانچہ ایک بار مولانا حافظ الدین بخاری نے جو اپنے زمانے کے ایک جید اور متبحر عالم تھے اور حضرت خواجہ محمد پاشاؒ کے جد اعلیٰ تھے۔ رئیس العلماء وشمس الائمہ صوانی کے اشارے پر علمائے وقت کے ایک مجمع میں حضرت خواجہ محمودؒ سے دریافت کیا کہ آپؒ ذکر جہر کی تعلیم کس وجہ سے دیتے ہیں۔ جواباً آپؒ نے فرمایا:

”ذکر جہر کی غایت یہ ہے کہ سویا ہوا بیدار ہو جائے اور غفلت سے ہوشیار ہو جائے اور راہِ راست پر آجائے۔ اور شریعت اور طریقت پر استقامت حاصل کرے اور توبہ اور انابت کی جانب راغب ہو جائے۔“

جس کا حلق حرام وشبہ سے، دل ریا وسمعہ سے اور باطن توجہ بما سوا سے پاک ہو۔

یہی وہ باتیں ہیں جن کی بناء پر خواجہ محمودؒ اپنے دور کے عارفوں میں ایک اعلیٰ مقام رکھتے تھے۔ اور اللہ کی یاد میں ہمیشہ غرق رہتے تھے۔ حضرت خواجہ محمودؒ نے ۷۱۷ھ میں انتقال فرمایا اور وابکنہ میں مدفون ہیں۔

بحق خواجہ عارفؒ خواجہ محمودؒ
کہ از عشق تو یک دم مے نیا سود

(الٰہی خواجہ عارفؒ اور خواجہ محمودؒ کے طفیل۔ کہ جن کو تیرے عشق میں ایک لمحہ بھی چین نہ تھا۔)

قرآنی معلومات

- قرآن مجید میں کل 114 سورتیں ہیں۔
- قرآن پاک کے 540 رکوع ہیں اور کل آیات 6666 ہیں۔
- قرآن مجید کے کل حروف کی تعداد 323760 ہے۔
- قرآن پاک کی سات منزلیں ہیں۔
- قرآن مجید کی مدت نزول 22 سال 5 ماہ اور 14 دن ہے۔
- حضور ﷺ کا اسم گرامی محمد ﷺ چار (4) مرتبہ اور اسم گرامی احمد ﷺ ایک بار قرآن پاک میں آیا ہے۔
- قرآن پاک کی سورت فاتحہ کو سبع مثانی، ام الکتاب، ام القرآن کے نام سے بھی جانا جاتا ہے۔
- حضرت موسیٰؑ کا ذکر قرآن مجید میں سب سے زیادہ مرتبہ آیا ہے۔
- قرآن مجید کی سورت توبہ کے شروع میں 'بسم اللہ' نہیں ہے۔
- قرآن پاک کی سورت ''نحل'' میں بسم اللہ شریف دو مرتبہ آئی ہے۔
- صلح حدیبیہ کو قرآن پاک میں ''فتح مبین'' کے نام سے پکارا گیا ہے۔
- قرآن پاک میں خانہ کعبہ کو دنیا کو سب سے پہلی اور قدیم ترین مسجد قرار دیا گیا ہے۔

غزوہ بدر نظریاتی اور مادی سرحدوں کا تعین

خورشید احمد گیلانی

☆☆ یوں تو دنیا میں بے شمار جنگیں ہوئیں جن کی ہلاکت آفرینیاں اور حشر سامانیاں تاریخ انسانی کا ہولناک وحشتناک اور دردناک باب ہیں، تمام جنگیں اپنے پہلو میں سوائے بربادی، تباہی، خونریزی اور درندگی کے کوئی مثبت اور پیداواری نتیجہ نہیں رکھتیں، چھوٹی موٹی جھڑپوں سے لے کر ملکوں کے درمیان باقاعدہ جنگوں اور عالمی سطح پر لڑی جانے والی دو عظیم جنگوں سمیت ان میں بہت کم ایسا ہوا کہ ان کا جذبہ محرکہ کوئی نظریہ اور کوئی اصول ہو اور اس کے بطن سے عالم انسانی کے لئے خیر اور فلاح کا اظہار ہوا ہو۔

جنگ عظیم میں زخمی ہو کر مفلوج، معذور اور اپاہج بننے والوں کی تعداد ستر لاکھ بیان کی جاتی ہے اور ہلاک ہونے والے تہتر لاکھ بتائے جاتے ہیں، اس جنگ کے پیچھے ایک آمر کے جنون اور ایک قوم کی نفسیاتی تسکین کے علاوہ کون سا داعیہ تھا جسے مثبت کہا جا سکے۔

ہٹلر کی آپ بیتی "میری جدوجہد" کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ اس کے ایک ایک لفظ کے لئے ۱۲۵ جانیں، ہر صفحہ کی خاطر ۴۷۰۰، اور باب پر بارہ لاکھ جانیں ضائع ہوئیں۔

انقلاب روس میں جو تشدد برپا ہوا وہ بھی تاریخ کا غم آگیں حصہ ہے ایک لاکھ چھیانوے ہزار مزدور اور آٹھ لاکھ نوے ہزار کسان اس دیوی کی بھینٹ چڑھے۔ اساتذہ، طلبہ، فوجی جوان، وکلاء اور عام شہری اس کے علاوہ ہیں۔

سٹالن نے محض اپنے اقتدار کے تحفظ کے لئے تیس ہزار سرکاری ملازمین تہ تیغ کر دیئے۔ اس خوفناک فلم میں صرف ایک منظر خوش کن اور نتیجہ خیز ہے وہ اسلام کی وسعت، غلبہ اور استحکام کا ہے، دار ارقم سے لے کر فتح مکہ تک کئی مراحل اور موڑ ہیں۔ جنگیں بھی ہوئیں، جھڑپیں بھی ہوئیں، لیکن اس پورے عرصے میں مسلمان شہداء کی کل تعداد ۲۵۵، اور کفار مقتولین ۷۵۹ بنتے ہیں اس قدر معمولی نقصان کا نتیجہ عالمی امن، بین الاقوامی اخوت اور ہمہ گیر اور آفاقی نظام رحمت کی صورت میں نکلا، اور واقعہ یہ ہے کہ اسلام نے جنگ کو بھی عبادت بنا دیا، ایسا کیوں کر ہو گیا! دراصل اس کی وجہ مزاج اور نظریات کا فرق ہے، اسلام کے نزدیک جنگ پسندیدہ نہیں بلکہ ناگزیر اقدام ہے، اسلام میں جنگ اظہار قوت نہیں بلکہ دفع شر کا ذریعہ ہے، اسلام کے ہاں جنگ کا مقصد مال کا اتلاف اور جان کا ضیاع نہیں بلکہ ظلم کا خاتمہ اور امن کا قیام ہے، اسلام کی نظر میں جنگ ہر روک ٹوک سے بالا نہیں بلکہ قواعد اور اصولوں کی پابند ہے۔ بناء بریں اس تصور جنگ نے جنگ کے مابعد حالات پر بھی مثبت اثر ڈالا اور اس کی بے شمار مثالیں تاریخ اسلام میں ملتی ہیں جو محض اعتقادی خوش فہمی پر مبنی نہیں بلکہ پایہ ثبوت کو پہنچی ہوئی ہیں۔

تاریخ اسلام مزاحمت، جدوجہد اور کشمکش کے بہت سے مرحلے عبور کرتے ہوئے اس موڑ پر پہنچی جہاں سوائے جنگ کے چارہ نہ تھا اور یہ جنگ جارحانہ نہیں بلکہ مدافعانہ تھی جو بدر کے میدان میں لڑی گئی اس غزوہ کو قرآن حکیم نے "یوم الفرقان" کا عنوان دیا اس عنوان میں کس قدر معنویت اور کتنی مقصدیت ہے وہ اظہر من الشمس ہے، یعنی اس روز امتیاز و تفریق کا نیا پیمانہ اور معیار قائم ہوا اس جنگ کے ذریعے ہمیشہ کے لئے طے پا گیا کہ مسلم اور غیر مسلم کے نقطہ نظر میں بنیادی فرق ہے اس سے پہلے انسانیت کے درمیان کھینچی ہوئی لکیریں باطل قرار پائیں اور حقیقی سرحدوں کا تعین ہو گیا اسلام نسلی، قومی، علاقائی، وطنی، لسانی، معاشی، معاشرتی امتیازات کے مقابلہ میں نظریاتی سرحدوں کا قائل ہے اس کے نزدیک حق و باطل دو سرحدیں ہیں یا "اس پار" یا "اس پار" باقی جو کچھ ہے تعصب ہے جاہلیت ہے، تنگ نظری ہے، اور بت پرستی ہے۔

غزوۂ بدر میں دو علاقے، دو قومیں، دو رنگ اور دو نسلیں برسر پیکار نہیں تھیں بلکہ دو نظریے آمنے سامنے تھے، ایک کا مقصد حق کا غلبہ اور دوسرے کا مقصد باطل کا فروغ!

اہل اسلام دنیوی اغراض و مقاصد سے ہٹ کر نسلی تعصبات سے عاری رہ کر اللہ کی راہ میں نوع انسانی کی فلاح اور عزت نفس کے لئے کمربستہ تھے اور اہل کفر برادری، سرداری، نسلی تمرد، تجارتی مفاد اور مادی منفعت کے ہتھیاروں سے آراستہ و پیراستہ۔

اہل اسلام خدا کے سامنے جھکے ہوئے نمازیوں اور یاد خدا میں مصروف اور رضائے الٰہی کے طالب تھے اور اہل کفر شراب و کباب میں مست، موسیقی کی تانوں سے مسحور، لونڈیوں کے رقص سے محظوظ اور نخوت جاہلیہ سے مغلوب نظر آتے تھے۔

اہل اسلام افرادی قوت (۳۱۳) اور سامان حرب کی کمی کے باوجود جذبہ جہاد سے سرشار اور وحدت و نظم کے سائے میں مصروف عمل تھے اور اہل کفر تعداد و اسلحہ کی فراوانی کے باوجود انجانے خوف میں مبتلا اور اخلاقی و نظریاتی قوت سے محروم تھے۔

گویا دونوں کیمپ جداگانہ مزاج رکھتے اور جداگانہ مقاصد کی تکمیل کر رہے تھے، ایک کی سوچ ذاتی تھی اور دوسرے کا نظریہ کائناتی تھا ایک منفی قوت تھی اور دوسری مثبت رویے کا انجام قیام و استقلال اور منفی رویے کا انجام انہدام و اضمحلال ہے کیوں کہ بے فیض چیزوں کی عمر اس سے زیادہ نہیں ہوتی، غزوہ بدر میں دنیا نے حیرت انگیز تقسیم و تمیز دیکھی اور یہی تقسیم و تمیز ہی نظریاتی سرحد کا تعین کرتی ہے، اور اسی سے اسلامی قومیت کا پورا فلسفہ واضح ہو جاتا ہے یہ جنگ نقطہ آغاز تھا اور اس کا نقطہ انتہا خطبہ حجۃ الوداع ٹھہرا جب امام انقلاب اسلامی حضرت محمد رسول اللہ ﷺ نے رہتی دنیا تک کے لئے اولاد آدم کو منشور حقوق انسانی سے مورتیوں کو خاک بسر کر دیا جن کی پوجا پاٹ میں نہ جانے کتنا انسانی غرور و وقار پیوند خاک ہوا تھا۔

نظریاتی سرحد کا تعین:

غزوہ بدر میں جو لوگ دو بدو تھے ان میں بظاہر ہر رنگ، نسل، وطن اور زبان کا گہرا اشتراک تھا ان کی رگوں میں ایک ہی باپ دادا کا خون دوڑ رہا تھا، ہر ایک کا سلسلہ نسب براہ راست ایک دوسرے سے مل رہا تھا،، زبان میں قاف شین کی حد تک، یکسانیت تھی مگر اس کے باوجود یہ دیکھ کر چشم تاریخ کی پتلیاں ایک جگہ پر جم کر رہ گئی تھیں کہ:

ایک طرف حضرت ابوبکرؓ تھے اور ان کے مقابل ان کا حقیقی بیٹا عبدالرحمان تھا (جو بعد میں مسلمان ہو گئے)۔

ادھر حضرت حذیفہؓ تھے اور ادھر حقیقی والد عتبہ تھا۔

اس جانب حضرت عمرؓ تھے اور اس جانب آپ کا ماموں کھڑا تھا۔

اہل اسلام کی طرف سے مصعب بن عمیرؓ تھے اور اہل کفر کی طرف سے آپ کا سگا بھائی عزیز تھا اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اسلامی فوج کے کماندار حضور ﷺ اپنے داماد سے رہائی کا فدیہ وصول کر رہے ہیں۔

اور حضرت ابو بکرؓ اس حسرت کا اظہار کرتے ہیں کہ کاش میرا بیٹا میری تلوار کی زد میں آ جاتا تو بچ کر نہ نکلتا اور حضرت مصعبؓ کہہ رہے ہیں کہ عزیز کی رسیاں کس کر باندھو اس کی ماں مالدار ہے بڑا فدیہ دے گی۔

اور حضرت عمرؓ تجویز پیش کرتے ہیں کہ جو جس کا رشتہ دار ہے وہی اس کو قتل کرے تاکہ آج کے دن سے یہ طے ہو جائے کہ کس کو خونی اور نسلی رشتے پیارے ہیں اور کس کو اللہ و رسول ﷺ کا تعلق عزیز ہے۔

اور یہی اس غزوہ کا ذروۃ السنام (کلائمکس) ہے کہ اصل سرحد مادی نہیں بلکہ نظریاتی ہے اور اب وصل و فصل، نفع و نقصان، قربت و فرقت، یگانی و بیگانگی، عزت و دولت اور رد و قبول کا پیمانہ بدل دیا۔

اقبال اور قرآن

نفیسہ انور

☆ علامہ اقبال موجودہ صدی میں دنیائے اسلام کے عظیم اور منفرد مفکر ہیں اور اپنے عہد میں ملت اسلامیہ کے ذہن کے معمار بھی۔ اپنے وقت کے فکری اور جذباتی رجحان کو تبدیل کرنے۔ فکر اسلامی کو جمود سے نکالنے اور فکر اسلامی کی تشکیل جدید میں ان کا حصہ سب سے نمایاں ہے۔

اقبال نے اپنے فکر و فلسفہ کی بنیاد قرآن پر رکھی۔ ان کا خیال ہے کہ قرآن پاک عین فطرت ہے لہٰذا فطرۃ اللہ کا انکشاف جس پر انسان کو پیدا کیا گیا ہے قرآن ہی کے ذریعے ہوا۔ ایک جگہ اقبال لکھتے ہیں کہ "قرآن پاک میں قانون بھی ہے اور تصورات بھی گو انسان کو تصورات کی اتنی ضرورت نہیں جتنی قانون کی۔ یہ انسان کی عقل، اس کا تجربہ اور مشاہدہ ہے جس میں قرآن مجید کا قانون حیات منکشف ہو رہا ہے اور ہوتا رہے گا۔"

ان کا نظریہ تھا کہ قرآن انسان کے مستقبل کا آئینہ ہے یہ ایک ایسی دستاویز ہے جو ہر عہد میں انسان کی رہنمائی عہد جدید کی طرف کرتی ہے۔ چنانچہ جدید الٰہیات اسلامیہ کے پہلے خطبے میں فرماتے ہیں "جس قدر انسان کا ذوق و وجدان اور اخلاق و روحانیت ترقی کرتے جائیں گے اسی قدر اس پر قرآنی مطالب آشکار ہوتے جائیں گے۔"

اقبال کا یہ راسخ عقیدہ تھا کہ "قرآن حکیم کی تعلیم محض کسی ایک زمانے اور ایک قوم کے لیے نہیں ہر زمانہ جب اس میں غوطے لگائے گا تو نئے آبدار موتی ملیں گے۔

آں کتاب زندہ قرآن حکیم
حکمت او لازوال است و قدیم
حرف او لاریب نے تبدیل نے
آیہ اش شرمندہ تاویل نے
نوع انسان را پیام آفرین
حامل او رحمۃ للعالمین

اقبال کے نزدیک مومن کی ساری فراست اور اس کی ساری بصیرت نہ صرف قرآن حکیم کی مرہون منت ہے بلکہ مومن خود سراپا قرآن ہے۔

یہ راز کسی کو نہیں معلوم کہ مومن
قاری نظر آتا ہے حقیقت میں ہے قرآن
فطرت کا سرود ازلی اس کے شب و روز
آہنگ میں یکتا صفت سورہ رحمٰن

ایک دن علامہ حسب معمول صبح کی تلاوت قرآن میں مصروف تھے تو ان کے والد نے فرمایا کہ "جب تک تم یہ نہ سمجھو کہ قرآن تمہارے قلب پر بھی اسی طرح اترتا ہے جیسا محمد رسول اللہ ﷺ کے قلب اقدس پر نازل ہوا تھا تلاوت کا مزا نہیں۔"

ان کا یہ فقرہ اقبال کے دل میں اتر گیا۔ اسی لیے انہوں نے ہمیشہ قرآن حکیم کی جانب اسی ذوق و شوق اور انہماک و استغراق کے ساتھ رجوع کیا جیسے یہ صحیفہ خود ان کے دل پر نازل ہوا ہو اس خیال کو انھوں نے اپنے اشعار میں بھی پیش کیا۔

خدا تجھے کسی طوفان سے آشنا کر دے
کہ تیرے بحر کی موجوں میں اضطراب نہیں
تجھے کتاب سے ممکن نہیں فراغ کہ تو
کتاب خواں ہے مگر صاحب کتاب نہیں

اقبال کا خیال ہے کہ اللہ تعالیٰ کی منشاء دریافت کرنے کے لیے ہمیں قرآن سے باہر جانے کی ضرورت نہیں ہے۔

ترے ضمیر پہ جب تک نہ ہو نزول کتاب
گرہ کشا ہے نہ رازیؒ نہ صاحب کشاف

علامہ کے نزدیک قرآن کریم فلسفے اور الٰہیات کی کوئی تصنیف نہیں ہے۔ قرآن اس لیے نازل ہوا ہے کہ وہ انسان میں خدا سے ربط قلبی کا اعلیٰ شعور پیدا کر دے تا کہ انسان اس ربط کی بدولت مشیت ایزدی سے ہم آہنگی پیدا کر سکے۔

اقبال جو صوفی منش انسان ہے اس کی طبیعت سادہ، ذہن منطقی، مزاج قلندرانہ اور تخیل شاعرانہ ہے۔ اس نے علی اعلان اس حقیقت کا اظہار خود اپنے کلام میں کیا کہ ان کے قلم سے جو کچھ نکلا ہے وہ قرآنی علم و حکمت کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔

قرآن مجید اور عشق رسول ﷺ سے علامہ اقبال کے شخصی عناصر کی تعمیر ہوئی اور اس اجمال کی تفصیل ان اقوال و احوال میں پیش کی جاتی ہے جو مختلف کتابوں میں بکھرے ہوئے ہیں۔

گر تو می خواہی مسلمان زیستن
نیست ممکن جز بہ قرآن زیستن

توحید:

اسلامی عقائد کی بنیاد نقطہ توحید ہے یعنی وجود باری تعالیٰ سے ہی چیز کا وجود ظہور ہے اور عرش سے فرش تک اور ذرہ سے آفتاب تک ہر چیز کی ہستی اس کی ہستی کی روشن دلیل ہے۔

اقبال نے بھی اپنے کلام میں توحید کا اقرار کیا۔

کثرت میں ہو گیا ہے وحدت کا راز مخفی
جگنو میں جو چمک ہے وہ پھول میں مہک ہے

رسالت محمدی ﷺ

قرآن کریم خاتم النبیین حضرت محمد ﷺ کو اس طرح نذرانہ عقیدت پیش کرتا ہے۔

انک لمن المرسلین ○ علی صراط مستقیم ○

اقبال اس آیت کریمہ کی تشریح کرتے ہوئے ان الفاظ میں خراج تحسین پیش کرتے ہیں۔

وانائے سبل ختم الرسل مولائے کل جس نے
غبار راہ کو بخشا فروغ وادی سینا
نگاہ عشق و مستی میں وہی اول وہی آخر
وہی قرآن، وہی فرقان، وہی یٰسین وہی طٰہٰ

فرد اور جماعت

قرآن مسلمانوں کو کافروں کے مقابلے میں اسلام پر ثابت قدمی یا مردی کا مظاہرہ کرنے، جہاد کے لیے ہمیشہ تیار رہنے اور جماعت سے وابستگی پر زور دیتا ہے۔

اقبال کا بھی خیال ہے کہ انسان کی زندگی کی تکمیل اور اس کے اصلی جوہر کا ظہور اجتماعی ماحول کے بغیر نہیں ہو سکتا۔ ملت کے ساتھ وابستگی کی وجہ سے ہی خزاں رسیدہ چمن امید بہار رکھ سکتا ہے۔

فرد قائم ربط ملت سے ہے تنہا کچھ نہیں
موج ہے دریا میں اور بیرون دریا کچھ نہیں

اتحادِ ملی

علامہ کے نزدیک حبل اللہ یعنی اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھامنے کے بعد انفرادی زندگی کی طرح مسلم قوم کی اجتماعی قوت بھی غیر متزلزل اور ناقابل اختلال ہو جائے گی تمام بکھری ہوئی قومیں مجتمع ہو جائیں گی۔

ایک ہوں مسلم حرم کی پاسبانی کے لیے
نیل کے ساحل سے لے کر تابخاک کاشغر

اقتدار اعلیٰ

اقتدار اعلیٰ کے متعلق قرآنی نقطہ نظر یہ ہے کہ آسمان و زمین میں سب جگہ اللہ تعالیٰ کا حکم اور اختیار چلتا ہے۔ ایجاد و اعدام کی باگ اسی کے ہاتھ میں ہے کوئی طاقت اس کے تصرف تکوینی کو روک نہیں سکتی۔

اقبال کے نزدیک مملکتی اقتدار کا ماخذ ذات باری تعالیٰ ہے وہ اصل حاکم ہے جو دنیاوی اعتبارات اور مقیدات سے پاک اور مطلق محض ہے اور اسی کے آگے فطرت انسانی اپنی ہستی کو جھکا سکتی ہے۔ بقول اقبال

سرورِ زیاب فقط اس ذات بے ہمتا کو ہے
حکمران ہے بس وہی باقی بتان آزری

سعی و کوشش

آج کا مسلمان جوش، گرمی، عمل کے لیے سرگرمی اور تن دہی نہ ہونے کی وجہ سے راکھ کا ڈھیر بن گیا ہے حالانکہ وہ عمل اور سعی و کوشش کے لیے پیدا کیا گیا ہے۔ قرآن حکیم واضح الفاظ میں انسان کو سعی کی تلقین کرتا ہے۔

قرآنی نقطہ نگاہ کی طرح اقبال فرماتے ہیں کہ کوشش کی تکمیل نہ ہو اور کوشش جاری ہے تو ہی زندگی زندگی ہے۔

راز حیات پوچھ لے خضر خجستہ گام سے
زندہ ہر ایک چیز ہے کوشش ناتمام سے

بانگ درا میں اقبال ترک دنیا کی مذمت کچھ اس طرح سے کرتے ہیں۔

مدعا تیرا اگر دنیا میں ہے تعلیم دیں
ترک دنیا قوم کو اپنی نہ سکھلانا

نظام سرمایہ داری

قرآن ناجائز اور ظلم و زیادتی سے کمائی گئی ہر روزی کو حرام قرار دیتا ہے۔

اقبال کہتے ہیں کہ اس میں کوئی شک نہیں کہ سرمایہ داری کی قوت جب اعتدال سے تجاوز کر جائے تو دنیا کے لیے ایک قسم کی لعنت ہے۔

تدبر کی فسوں کاری سے محکم ہو نہیں سکتا
جہاں میں جس تمدن کی بنا سرمایہ داری ہے

مرد مومن

اقبال مرد مومن غیرت مند نوجوان سچے مسلمان اور انسان کامل کی یہ خصوصیات بیان فرماتے ہیں۔

ہر لحظہ ہے مومن کی نئی شان نئی آن
گفتار میں کردار میں اللہ کی برہان
قہاری و غفاری و قدوسی و جبروت
یہ چار عناصر ہوں تو بنتا ہے مسلمان

انسان کامل

اقبال کا خیال ہے کہ انسان کامل اپنے اعجاز عمل سے تجربہ حیات کرتا ہے وہ اپنی سعی و عمل اور نفس کے مراحل سے گزر کر نیابت الٰہی کی ذمہ داریاں قبول کرتا ہے اور عناصر پر اپنی حکمرانی کا سکہ جماتا ہے۔

نائب حق در جہاں بودن خوش است
بر عناصر حکمران بودن خوش است

حیات ابدی

قرآن راہ خدا میں جان کا نذرانہ پیش کرنے والوں کو حیات ابدی کی نوید سناتا ہے۔

اسی طرح اقبال کے خیال میں

مرے خاک و خوں سے تو نے یہ جہاں کیا ہے پیدا
صلہ شہید کیا ہے؟ تب و تاب جاودانہ

قول و فعل میں ہم آہنگی

قرآن مسلمانوں کو منافقت سے بچنے کی تلقین کرتے ہوئے اسے ناپسندیدہ فعل قرار دیتا ہے اقبال کی نظر میں قول و فعل میں یکسانیت ہی ایک مسلمان کا شیوہ ہے۔

ہزار خوف ہو، لیکن زبان ہو دل کی رفیق
یہی رہا ہے ازل سے قلندروں کا طریق

لالچ و حرص سے اجتناب

قرآن حکیم ان لوگوں کو بامراد قرار دیتا ہے جن کے دلوں کو اللہ کی توفیق و دستگیری نے لالچ اور حرص و بخل سے محفوظ رکھا۔

اقبال کا خیال ہے کہ نفس کے لالچ کی وجہ

سے ہی غیر اللہ کی محتاجی پیدا ہوتی ہے جو انسان کو اس کی بلندی سے گرا دیتی ہے۔

اے طائر لاہوتی اس رزق سے موت اچھی
جس رزق سے آتی ہو پرواز میں کوتاہی

حیات اخروی

قرآن بنی نوع انسان کو اس حقیقت سے آگاہ کرتا ہے کہ انسان پہلے معدوم تھا پھر وجود میں آیا عدم پہلی موت اور وجود پہلی زندگی ہے۔ دوسری موت معروف موت ہے اور دوسری زندگی آخرت کی زندگی ہے۔ اقبال بھی اخروی زندگی پر یقین کامل رکھتے ہوئے فرماتے ہیں۔

موت تجدید مذاق زندگی کا نام ہے
خواب کے پردے میں بیداری کا ایک پیغام ہے

ملت کی زبوں حالی

ہندوستان کے مسلمان کس طرح غلامی کی زندگی سے دوچار ہوئے اور پھر کس قدر ذلیل ہوئے اس کی تاریخ ہمیشہ یادگار رہے گی۔ اقبال نے اپنی شاعری میں ملت کی زبوں حالی اور پستی سے نجات کے لئے مسلمانوں کو اپنا رخ بیت اللہ اور میر حجاز کی طرف کرنے کی تلقین کی۔

دنیا کے بت کدوں میں پہلا وہ گھر خدا کا
ہم اس کے پاسبان ہیں وہ پاسباں ہمارا
سالار کارواں ہے میر حجاز اپنا
اس نام سے ہے باقی آرام جاں ہمارا

علامہ اقبال ایک مکتوب میں لکھتے ہیں۔

”میرا عقیدہ ہے کہ جو شخص اس وقت قرآنی نقطہ نگاہ سے زمانہ حال کے جورس پروڈنس (اصول فقہ) پر ایک تنقیدی نگاہ ڈال کر احکام قرآنیہ کی ابدیت کو ثابت کرے گا وہی اسلام کا مجدد ہوگا اور بنی نوع انسان کا سب سے بڑا خادم بھی وہی شخص ہوگا۔“

ایک جگہ مزید لکھتے ہیں ”عہد جدید کا ایک مسلمان اہل علم جب ان مسائل کو مذہبی تجربات اور افکار کی روشنی میں بیان کرتا ہے جن کا سرچشمہ قرآن مجید ہے تو اس سے یہ نہیں سمجھنا چاہیے کہ جدید افکار کو قدیم لباس میں پیش کیا جا رہا ہے بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ پرانے حقائق کو جدید افکار کی روشنی میں بیان کیا گیا ہے۔

اقبال اپنی ملت کو مستقیم پر گامزن رہنے، محبت رسول ﷺ اور اطاعت رسول ﷺ کو اپنا شعار بنانے کی تلقین کرتے ہیں۔

اقبال فرماتے ہیں کہ آنحضور ﷺ کے اوصاف شائستہ، کردار بلند اخلاق عالیہ اور اسوۂ حسنہ وہ راستہ ہے جس کا اتباع ہم پر واجب ہے اتباع رسول ﷺ میں ہی ہمارے لیے محبت الٰہی مضمر ہے۔

بقول اقبال۔

اپنی ملت پر قیاس اقوام مغرب سے نہ کر
خاص ہے ترکیب میں قوم رسول ہاشمی
ان کی ملت کا ہے ملک و نسب پر انحصار
قوت مذہب سے مستحکم ہے جمعیت تیری

رمضان اور خواتین

بشریٰ تسنیم

ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ رمضان وہ مہینہ ہے جس میں قرآن اتارا گیا۔ گویا رمضان المبارک کی اہمیت روزے کی وجہ سے نہیں بلکہ نزول قرآن کی شان اس کو اہم بناتی ہے۔ یہ جشن قرآن کا مہینہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ "لوگو! تمہارے پاس رب کی طرف سے نصیحت آگئی ہے' یہ وہ چیز ہے جو دلوں کے امراض کے لئے شفا ہے اور جو اسے قبول کرلیں ان کے لئے رہنمائی اور رحمت ہے۔ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! کہو کہ یہ اللہ کا فضل ہے اور اس کی مہربانی ہے کہ یہ چیز اس نے بھیجی۔ اس پر تو لوگوں کو خوشی منانا چاہئے۔ یہ ان سب چیزوں سے بہتر ہے جو لوگ سمیٹ رہے ہیں۔" (سورہ یونس 10-58)۔ گویا روزوں میں جس چیز کی طرف توجہ دلائی گئی' وہ قرآن سے تعلق ہے۔ روزے کی شان یہ ہے کہ اس میں کلام الٰہی سے نسبت بڑھائی جائے۔

قرآن سے تعلق بڑھانے اور روزے کی شان دوبالا کرنے کے لئے ہمیں کیا کرنا ہے؟

نیت

سب سے پہلے تو ہم اپنی نیت کو خالص کریں کہ تمام نیکیوں اور اعمال کا دارومدار نیت پر ہے۔ نیت شعور و احساس پیدا کرتی ہے' شعور بیدار ہو تو ارادہ مستحکم ہوتا ہے اور پھر محنت اور کوشش کی شکل میں سامنے آتا ہے۔ اسی لئے نماز' روزہ اور عبادت کے لئے نیت کی تاکید کی گئی۔ اگر اعمال میں صحیح نیت کی روح ہو تو وہ اثر آفرینی' نشوونما اور نتیجہ خیزی کی قوت رکھتے ہیں۔ اگر نیت خالص نہ ہوگی اور آپ کام صرف اللہ تعالیٰ کے لئے نہ کریں گی تو وہ قبول نہ ہوگا' محض راکھ کا ڈھیر ثابت ہوگا۔

قرآن سے مضبوط تعلق

1- خالص نیت کریں کہ رمضان المبارک میں قرآن سننا اور پڑھنا اپنے رب کی رضا کے لئے ہوگا اور اس تمنا کے ساتھ کہ یہ کلام میرے عمل کا حصہ بن جائے۔

2- یہ بھی رمضان المبارک کی تیاری کا حصہ ہے کہ پہلے سے سوچ لیا جائے کہ کتنی مرتبہ قرآن پاک پڑھنا ہے۔ عربی متن کے ساتھ اردو ترجمہ کتنی مرتبہ پڑھنا ہے۔ روزانہ کا پارہ اور پھر ترجمہ روز پڑھ لینا ہرگز مشکل نہیں۔ یہ نہ ہوسکے تو پورے پارے کا خلاصہ جو اکثر اخبارات میں روزانہ تراویح کے حساب سے چھپتا ہے' ذہن نشین کرلیا جائے۔

3- حفظ کی کوشش کرنا۔ جو قرآن کا حصہ حفظ ہے' اس کو دہراتے رہنا۔

ذاتی محاسبہ

رمضان المبارک کے آغاز پر ہی ہم کوئی ایک اچھی عادت اپنانے کا ارادہ کرلیں' کوئی ایک بری عادت چھوڑنے کا سوچ لیں اور پورا مہینہ اس پر کاربند رہیں۔ جس طرح ہم ہروقت کوشش کرتے ہیں کہ اپنے ظاہری لباس کو خوب سے خوب تر بنائیں' اسی طرح تقویٰ کا لباس بہتر سے بہتر بنانے کے لئے کوشش تیز کردینی چاہئے۔

مطالعہ قرآن و حدیث' اسلامی لٹریچر' نوافل' خیرات' نیکی کی جستجو' ذکر و دعا' قیام اللیل' شب قدر' اعتکاف اور اللہ کے بندوں کی مدد...... یہ چیزیں ہیں جو تقویٰ کا لباس ... کے لئے ہمیں درکار ہیں۔ ان سب کے لئے اپنے اوقات کار اور اپنے کاموں کو منظم کرنا اور سہولت حاصل کرنا ضروری امر ہے۔ سردیوں میں دن چھوٹے اور راتیں لمبی ہوتی ہیں' راتوں کو اپنے رب سے لو لگانے کا خاصا وقت مل سکتا ہے۔

میں یہ ضرور ذکر کرنا چاہوں گی کہ رمضان المبارک کے استقبال کے لئے ہم جہاں گھر کی صفائی خوب توجہ اور خاص محنت سے کرتے ہیں' کچھ ایسی ہی صفائی اپنی روحانی دنیا کی بھی کرنی چاہئے۔ تقویٰ جو دل میں اپنا مقام بناتا ہے' اس دل کی صفائی کتنی کرلی گئی ہے۔ کتنے اخلاقی اوصاف اس گھر میں سجائے گئے ہیں اور اخلاقی برائیوں کے کتنے جالے اور جھاڑ جھنکار' اس گھر میں لگے ہوئے ہیں۔ جب تک اس اندرونی گھر کی صفائی نہ ہوگی گھروں' کپڑوں اور جسم کی صفائی ادھوری رہے گی۔

امور خانہ داری کی منصوبہ بندی

رمضان المبارک کی پہلی سحری آپ کی جدوجہد کا بنیادی نقطہ بن سکتی ہے۔ کچن کے معاملات میں تھوڑی سی سمجھ داری سے کام لیا جائے تو بہت سا وقت اور بہت سی پریشانی سے بچا جاسکتا ہے۔

رمضان المبارک کی سحری و افطار کی ضروریات کو سامنے رکھتے ہوئے چند دن پہلے ہی کچھ کام کرلئے جائیں تو انتہائی سہولت رہتی ہے:

پیاز' لہسن اور ادرک چھیلنے' پیسنے میں بہت وقت لگتا ہے' اگر ایک دن بچوں کو ساتھ ملا کر یا گھر میں کام کرنے والی ماسی کے ذریعے مہینے بھر کا مصالحہ پسوا لیا جائے' پیاز سرخ کرکے پیس لی جائے اور یہ سب چیزیں شیشیوں میں بھر کر فریج میں رکھ دی

جائیں تو رمضان میں بہت سی الجھنوں سے بچا جاسکتا ہے اور وقت بھی وافر مل جائے گا۔ بہت سی سبزیاں بھی صاف کر کے ابال کر یا ابالے بغیر محفوظ کی جاسکتی ہیں، بلکہ اب تو ایک ہی دن بہت سے کھانے پکانے کے کام کر کے باقی دنوں میں فارغ رہا جاسکتا ہے۔

افطاری میں ڈھیر سارے کھانے دستر خوان پر سجانے کے بجائے سادگی اور ون ڈش کو رواج دیا جائے۔ اس میں سہولت بھی ہے، بچت بھی اور صحت بھی۔ گھر میں کام کرنے والے ملازموں سے مشقت میں کمی کرنا اور ان کا ہاتھ بٹانا بہت زیادہ اجرو ثواب کا مستحق ہے۔ اس کے لئے بھی خصوصی اور شعوری کوشش کرنی چاہئے۔ برتنوں کا کم سے کم استعمال کیا جائے اور گھر کے ہر فرد کو ہدایت کی جائے کہ اپنا گلاس اور پلیٹ خود دھو کر رکھ دے۔ ان کو احساس دلایا جائے کہ اس کا کتنا اجر ہے۔

عید کی تیاری

عیدالفطر کی تیاری بھی رمضان المبارک کے آنے سے پہلے مکمل کرلی جائے تو رمضان کے قیمتی وقت سے بھرپور استفادہ کیا جاسکتا ہے۔ ورنہ ہوتا یہ ہے کہ شب قدر جیسی عظیم راتیں اور چاند رات جیسی قیمتی رات کہ اس وقت "مزدور" کا "مزدوری" لینے کا وقت ہوتا ہے، خواتین چوڑیوں، کپڑوں، دوپٹوں اور بٹن دھاگوں کے مسائل میں الجھی رہتی ہیں۔ یوں شیطان ان سے وہ تمام محنتیں ضائع کرا دیتا ہے جو پورے مہینے کی تھیں۔ یاد رکھئے کہ رمضان المبارک کے دن اور رات کا ایک ایک لمحہ اتنا قیمتی ہے کہ ایک پوری زندگی دے کر بھی اس کا نعم البدل ملنا محال ہے۔ رمضان المبارک کے شروع ہونے سے پہلے ایک فہرست بنالی جائے کہ اس ماہ مبارک میں وہ دنیاوی امور جو انجام دینا ناگزیر ہیں، کون سے ہیں، اور کون سے کام ایسے ہیں جن کی بجا آوری ضروری نہیں۔ ترجیحات کا تعین انسان کو بڑی خوشی اور کامیابی عطا کرتا ہے۔

عید کے موقع پر نئے کپڑے اور زیور بنانا آپ کا حق ہے۔ مگر کیا ہم اپنے اردگرد تمام انسانوں کی ضروریات پوری کر چکے ہیں یا جتنا ہم کرسکتے ہیں کرلیا ہے؟ کیا ہمارے لباس پر خرچ ہونے والی رقم کا کوئی اس سے بہتر مصرف نہیں ہے؟ کیا ہم سے زیادہ ضرورت مند کوئی موجود نہیں؟

راہ خدا میں خرچ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ "بندوں کے عمل اللہ کے نزدیک سات درجے پر ہیں۔ دو عمل ایسے ہیں کہ دو چیزوں کو واجب کرتے ہیں اور دو ایسے ہیں کہ ان میں بدلہ عمل کے برابر ملتا ہے۔ ایک عمل وہ ہے جس کے بدلے 10 نیکیاں لکھی جاتی ہیں۔ ایک عمل ایسا ہے کہ اس کے بدلے 700 نیکیاں لکھی جاتی ہیں اور ایک عمل ایسا ہے کہ اس کے ثواب کی حد سوائے اللہ پاک کے اور کوئی نہیں جانتا۔ وہ عمل جس کا بدلہ 700 گنا تک ہے وہ اللہ کی راہ میں مال خرچ کرنا ہے، اور وہ عمل جس کے اجر کی کوئی حد نہیں، رمضان المبارک کا روزہ رکھنا ہے۔

جب رمضان المبارک میں روزے کے ساتھ اللہ کی راہ میں خرچ کرنا اس قدر ثواب کا مستحق بنا دیتا ہے تو ہمیں ضرور اس کو پانے کی کوشش کرنی چاہئے۔ ہمارے پاس اگر اتنی گنجائش نہیں کہ خوب خرچ کریں تو یہ ایثار تو کرسکتے ہیں کہ بہت شاندار اور قیمتی لباس کے بجائے سادہ لباس بنالیں یا اس لباس کو کسی ایسے کو دے دیں جو زیادہ مستحق ہو۔

اپنی اور اولاد کی تربیت

رمضان المبارک میں اپنی اولاد کی طرف اس طرح خصوصی نظر کرم کریں کہ جس طرح اللہ اپنے بندوں پر مہربان ہے۔ روزے کے ساتھ چند دن تو ایسی مشق کی جاسکتی ہے کہ بچوں کے سامنے ایک بہتر نمونہ موجود ہو۔ بچے کو بھی معلوم ہو کہ روزہ دار ماں اور عام دنوں میں ماں کی مہربانی میں کچھ فرق ہوتا ہے۔ وہ جان لے کہ روزہ رکھنے والی ماں کتنی اچھی ماں ہوتی ہے اور پھر یہی مشق دوسرے گیارہ مہینوں میں بھی جاری رہنی چاہئے۔ روزہ رکھ کر چیخنا، چلانا روزے کو خراب کرتا ہے۔ روزہ رکھ کر بدزبانی اور غیبت کرنا حرام ہے۔ اس روزے کا کوئی فائدہ نہیں جس میں زبان کی حفاظت نہ کی گئی ہو۔ اپنے بچوں کو روزے کی خوبصورتی کا احساس دلائیں۔ روزے کی محبت ان کے دل میں جاگزیں کرنا چاہئے۔

افطار کے وقت ہر عمر کے بچے کو روزہ دار ہونا چاہئے۔ عمر کے لحاظ سے روزہ رکھوایا جاسکتا ہے۔ اسکول جانے والے چھوٹے بچے اسکول سے آکر عصر سے مغرب تک روزہ رکھ سکتے ہیں حتیٰ کہ دو سال کا بچہ بھی افطاری سے چند منٹ پہلے روزے کا احساس کرسکتا ہے۔ بچوں کی تربیت کرنا اور ان کو افطاری کی خوشی میں شریک کرنا چاہئے۔ افطاری مغرب کی اذان سے 15، 20 منٹ پہلے تیار کرلینی چاہئے۔ تمام کاموں سے فارغ ہو کر ذکر الٰہی کیا جائے۔ تمام اہل خانہ سمیت اجتماعی و انفرادی دعائیں کی جاسکتی ہیں۔

سحری کے وقت خواتین اپنے رب سے راز و نیاز کرسکتی ہیں، کام کاج کرتے ہوئے بھی، چند منٹ پہلے اٹھ کر اپنے رب کے حضور سجدہ کر کے بھی، اپنے گناہوں کی معافی چاہنا اللہ کو بے حد پسند ہے۔ توبہ استغفار سے اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل ہوتا ہے تو دنیاوی پریشانیوں سے بھی نجات ملتی ہے۔ شب قدر کی تلاش اور اس کی معراج ہر روزہ دار کی آرزو ہوتی ہے۔ اپنے قلب و روح، مزاج و انداز، فکر و عمل کو اپنے اللہ کے رنگ میں رنگنے کی جستجو اور کوشش جاری رہے تو یہ نعمت بھی ملنا ناممکن

نہیں۔ خود پسندی، تکبر، اللہ کے سامنے عاجزی اختیار کرنے میں مانع ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ایسے بندوں کو اپنا قرب عطا نہیں کرتا جو خودپسندی اور تکبر میں مبتلا ہوں۔

سحری کے وقت نفل پڑھنا یا کوئی بھی نفل نماز پڑھنے سے پہلے اعتکاف کی نیت کرلینا چاہئے۔ اگر مسجد میں نماز تراویح پڑھنے کا موقع ملے تو اس سے ضرور مستفید ہوں اور مسجد میں داخل ہوتے وقت اعتکاف کی نیت کرلی جائے۔

سالانہ منصوبہ بندی کیجئے

رمضان المبارک نیکیوں کا موسم بہار ہے۔ ہر عمل نیکی کے بیج سے پھوٹ کر پھل پھول لا رہا ہوتا ہے۔ مگر سوچنے کی بات یہ ہے کہ بہار کس کے لئے ہے؟ کسی کی زندگی میں؟ کس کے رمضان میں؟ لازماً" گزشتہ پورے سال میں اپنے دل میں نیکیوں کے بیج ہوئے ہوں گے تو موسم بہار میں رنگینی بہار نظر آئے گی۔ دلوں میں ایمان اور نیکیوں کے بیج بو کر ان کی آبیاری کتنی کی گئی' اسی لحاظ سے یہ بہار بھی آئے گی۔ اگر اس رمضان میں ثمربار شجر اور پھولوں کی مہکار نظر نہیں آرہی تو اس کی تلافی ممکن ہے۔ ابھی اور آج ہی سے وہ بیج بو لئے جائیں۔ دل کی زمین جتنی زرخیز ہوگی پھل اسی کثرت سے اور خوب تر آئے گا۔

رمضان المبارک تو سالانہ نیکیوں کا میلہ ہے جس کے تین حصے بنا دیئے گئے۔ رحمت' مغفرت اور آگ سے رہائی۔ ہر کوئی اپنے ظرف کے مطابق وصول کررہا ہے۔ جو محروم رہ گیا' وہ نہ جانے دوبارہ اس میلے میں شریک ہوسکے گا یا نہیں؟ نیکیوں کی سیل لگی ہوئی ہے۔ کم دام دے کر زیادہ چیزیں خرید لو' قیمتی خرید لو۔ نفل نیکی کا فرض کے برابر اور فرض کا 70 فرض کے برابر ثواب۔ رحمت خداوندی جوش میں ہے۔ خوش نصیب ہیں جو اس سے فیض حاصل کرلیں۔

رمضان المبارک ہمارے لئے سالانہ امتحان کا سا درجہ رکھتا ہے۔ جنت اور رضائے الٰہی ہمارا مقصود و مطلوب ہے۔ یہی ہماری منزل ہے۔ اس منزل کو پانے کے لئے ہم درجہ بہ درجہ اوپر کی طرف جارہے ہیں' نیچے کی طرف جارہے ہیں' اپنے رب سے قریب ہورہے ہیں' یا دور ہورہے ہیں؟ یہ ہمارے جائزے کا وقت ہے۔ رمضان المبارک ہمارے لئے سالانہ منصوبہ بندی کا وقت ہے۔ اس رمضان اور آئندہ رمضان کے دوران ہم نے کیا حاصل کرنا ہے' کیا چھوڑنا ہے' کیا خریدنا ہے' کیا چیزیں ضروری ہیں' کتنا دین کا علم حاصل کرنا ہے اور آگے پھیلانا ہے؟ قرآن و حدیث کی تعلیم کا نصاب بنانا' حقوق اللہ و حقوق العباد میں توازن پیدا کرنا اور خوب سے خوب تر کی تلاش کرنا کیسے ممکن ہے؟

گھر کی کون سی چیزیں ضروری خریدنا ہیں اور کن کے بغیر گزارا ہوجائے گا۔ اپنے بچوں کے لباس اور دیگر مشاغل میں سادگی کا عنصر کتنا بڑھایا جاسکتا ہے۔ کون سی اخلاقی خوبیاں اپنے اندر اجاگر کرنا اور کون سی برائیاں چھوڑنی ہیں؟ اس بابرکت مہینے میں جو بھی منصوبہ بنایا جائے گا اس میں اللہ کی رحمت شامل ہوگی۔ پورا نہیں تو کچھ مفید منصوبہ پورا ہوگا۔ زندگی ایک منظم طریقے سے بسر ہوگی۔ دل کو اطمینان اور خوشی ملے گی اور آئندہ رمضان اگر نصیب ہوا تو معلوم ہوجائے گا کہ ہم اپنے دفتر میں کیا جمع کررہے ہیں۔

رمضان کا پیغام

روزوں کا مقصد تقویٰ کا حصول ہے۔ تقویٰ دل کا چراغ ہے' عبادت اس چراغ کا تیل ہے۔ تیل ہوگا تو چراغ روشن ہوگا۔ اس چراغ کی روشنی باطن کو منور کرتی ہے' ظاہر کو حسن بخشتی ہے۔ مضبوط قوت ارادی کے ذریعے خواہشات و جذبات کو قابو میں کرلینے کا نام ضبط نفس ہے۔ یہ ضبط نفس ہی اصل میں پرہیزگاری اور تقویٰ ہے۔ انسان کی خواہشات اور جذبات اعتدال کی حدود سے آگے گزر جائیں تو برائی سرزد ہوتی ہے۔ خواہشات کی یہ خصوصیت ہے کہ جب ہم انہیں پورا کرتے چلے جائیں تو یہ مضبوط ہوتی ہیں' دباتے رہیں تو کمزور ہوتی ہیں۔ ہر خواہش نفس کو دباتے رہنے سے قوت حاصل ہوتی ہے۔ روزے میں بھوک' پیاس کی خواہش کے دبے رہنے سے یہ خواہش پورا دن سر نہیں ابھارتی۔ قوت ارادی سے روزے میں بھوک' پیاس کے احساس کو مغلوب کرلیا جاتا ہے' اسی طرح اپنے تمام اعضاء کو قوت ارادی کے ذریعے برائی سے دور رکھا جاسکتا ہے۔ دراصل پیٹ کے روزے سے مومن کو یہ باور کرانا مقصود ہے کہ جب اپنی قوت ارادی سے بھوک' پیاس اور نفسانی خواہشات پر قابو پاسکتے ہو تو دیگر خواہشات اور اعضاء اور فکر و عمل پر پابندی لگانا' ان پر قابو پانا تو آسان ہے۔ دنیا میں تمام جرائم اور اخلاق رذیلہ کی بنیاد پیٹ ہے۔ جس نے اس پر قابو پالیا وہ دیگر روحانی مدارج کو طے کرنے کے لئے اپنے آپ کو کامیابی کی راہ پر گامزن کیجئے۔

(بشکریہ۔ ترجمان القرآن)

ماں باپ

محسن کی شکرگزاری واحسان مندی شرافت کا اولین تقاضا ہے اور حقیقت یہ ہے کہ ہمارے والدین جنکی پرورش اور نگرانی میں ہم پلتے، بڑھتے اور شعور کو پہنچتے ہیں اور جس غیر معمولی قربانی اور انتہائی شفقت و پیار سے وہ اولاد کی دیکھ بھال اور تربیت کرتے ہیں۔ حق یہ ہے کہ ہمارا دل ان کی عقیدت و احسان مندی اور عظمت و محبت سے سرشار ہو اور ہمارے جسم کا رُواں رُواں انکا شکرگزار ہو۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی شکرگزاری کے ساتھ ساتھ والدین کی شکرگزاری کی تاکید کی ہے "اور تمہارے رب نے فیصلہ کردیا کہ تم خدا کے سوا کسی کی بندگی نہ کرو اور والدین کے ساتھ اچھا سلوک کرو۔"

روزہ کے طبی فوائد

حکیم راحت نسیم سوہدروی

☆ روزہ اسلام کے پانچ بنیادی ارکان میں سے ایک ہے اور ہر مسلمان پر فرض ہے۔ یہ عبادت مسلمانوں سے پہلی امتوں پر بھی فرض تھی اور اللہ کے تمام رسولوں کی عبادت وشریعت میں شامل رہی ہے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

"اے ایمان والو! روزہ تم پر اس طرح فرض کیا گیا جس طرح تم سے پہلے لوگوں پر فرض کیا گیا تاکہ تم میں تقویٰ پیدا ہو۔"

اللہ تعالیٰ کے اس فرمان سے جہاں یہ پتہ چلتا ہے کہ روزہ پہلی امتوں پر بھی فرض تھا وہاں یہ معلوم ہوتا ہے کہ روزہ کا مقصد تقویٰ پیدا کرنا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا کوئی حکم خالی از مصلحت نہیں ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ انسانی فہم کی اس تک رسائی نہ ہو۔ ایک خاص وقت تک کھانے پینے اور نفسانی خواہشات سے باز رہنے کا نام روزہ ہے لیکن یہ اصل مقصد نہیں ہے بلکہ مقصد کے حصول کا ذریعہ ہے قرآن حکیم نے روزہ کا مقصد تقویٰ بیان کیا ہے۔ اسلام دین فطرت ہے اور فطرت کا ہر عمل انسان کی فلاح کے لئے ہے۔ اس طرح روزہ کے دینی مقاصد اپنی جگہ مسلم مگر جسمانی یعنی طبی پہلو سے بھی انسان کے لئے مفید ہے۔ صبح سحری سے افطاری یعنی نماز مغرب تک فاقہ نہیں بلکہ وقفہ روزہ ہے۔ روزہ میں کھانے پینے اور دیگر نفسانی خواہشات کا جو وقفہ ہوتا ہے وہ جسم کو فضلات سے پاک اور خون کو صاف کرتا ہے روزہ دار میں حرص اور مرض سے مقابلے کی قوت پیدا ہوتی ہے اس لئے نفس کے تزکیہ کے لئے روزے فرض کئے گئے مسلمانوں پر سال میں ایک ماہ تک روزے فرض کر کے نفس اور جسم کی تربیت کا سامان کیا گیا ہے۔ یوں ضبط و نظم کی عادت ہو جاتی ہے اور پابندی اوقات کی تربیت ہوتی ہے۔ ماہرین طبی سائنس اس امر پر متفق ہیں کہ وقت مقررہ پر کھانے پینے سے صحت بحال رہتی ہے۔ اس طرح یہ بھی ایک طے شدہ بات ہے کہ بہت سے امراض کی جڑ معدہ کی خرابی ہے یعنی نظام ہضم میں فتور ہے۔ روزہ میں وقت مقررہ پر کھانے پینے اور کچھ وقت وقفہ سے نہ صرف معدہ کو آرام کا موقع مل جاتا ہے بلکہ اس کی اصلاح بھی ہو جاتی ہے۔ طب و سائنس اس بات کی تصدیق کرتے ہیں کہ روزہ سے جسم کی ان رطوبات کا خاتمہ ہوتا ہے جن سے امراض جنم لیتے ہیں اور جسمانی اعضاء کی کارکردگی پر کوئی فرق نہیں پڑتا بلکہ جسمانی صلاحیت عمل بڑھتی ہے۔ آج جدید زمانے نے جن امراض کو جنم دیا ہے۔ مثلاً ہائی بلڈ پریشر موٹاپا، نزلہ زکام، گیس ریاح ان میں سے بیشتر کا روزہ ایک قدرتی علاج ہے۔ روزہ نہ صرف جسمانی اصلاح کرتا ہے۔ بلکہ روحانی طور پر انسانی رفعت وعظمت کا ذریعہ ہے بعض لوگ روزہ کو محض فاقہ قرار دیتے ہیں جس سے جسم تحلیل ہوتا ہے اور جسمانی کارکردگی اور صلاحیت عمل متاثر ہوتی ہے حالانکہ یہ بات بالکل غلط ہے کیونکہ روزہ فاقہ نہیں ہے بلکہ صرف صبح سے شام تک کھانے پینے میں وقفہ ہے اور وقفہ سے جسم کو اس وقت تک کوئی نقصان نہیں پہنچتا جب تک ایک خاص حد سے تجاوز نہ کیا جائے۔

روزہ کی حقیقت کو جاننے کے لئے ضروری ہے کہ قدرت نے جسم میں قوت مدافعت مدبرہ بدن پیدا کی ہے جو کسی خارجی تدبیر کے بغیر بیماریوں سے محفوظ رکھتی ہو اور جسمانی اعضاء کی قوتوں کی حفاظت کرتی ہے۔ اس لئے علاج معالجہ میں یہ اصول پیش نظر رکھا جاتا ہے کہ وہ تدابیر بھی اختیار کی جائیں جس سے امراض سے نجات کے ساتھ ساتھ اس قوت کو مضبوط بنایا جائے اور ان تمام باتوں سے پرہیز کیا جائے جس سے یہ قوت کمزور ہو۔ روزہ اس قوت کو مضبوط بناتا ہے۔

جدید سائنس اور ماہرین علاج معالجہ کچھ وقت کے لیے ترک خورد ونوش کو ازالہ امراض کے لئے ایک اہم تدابیر قرار دیتے ہیں۔ ویدک طریق علاج میں تو اس کی بڑی اہمیت ہے۔ تمام حیوانی اجسام میں یہ قدرتی اصول علاج رائج ہے کہ وہ تمام اشیاء جن میں زندگی کے آثار مفقود ہوں اور فرسودگی پائی جائے جسم سے خارج کر دینے چاہئیں۔ روزہ سے جسم کی ان قوتوں کو فائدہ ہوتا ہے جو مضر اور غیر حیات بخش عناصر کو جسم سے خارج کرتے ہیں۔ گویا قوت ہضم جو ان عناصر کو برسر پیکار رکھتی ہے ان سے فارغ ہو کر قوت مدافعت میں شامل ہو کر اسے مضبوط بنا دیتی ہے۔

کیلیفورنیا (امریکہ) کے ایک ڈاکٹر لوگان نے لکھا کہ وہ جب بیمار ہوتے ہیں تو روزہ رکھ کر صحت یاب ہو جاتے ہیں اس طرح دیگر معالجین اور لوگوں کے تجربات سامنے آئے تو مغرب کے ماہرین طب وسائنس اس جانب متوجہ ہوئے اور کھلم کھلا اعتراف کیا کہ روزہ بہت سے امراض کا علاج ہے روزہ کا پابند انسان ہر طرح چاق وچوبند اور تندرست

رہتا ہے اس بابرکت مہینے میں دینی پہلو کے ساتھ ساتھ جسمانی فوائد کے حصول کا طریقہ یہ ہے کہ روزہ کو اس کی روح کے مطابق رکھا جائے ۔قلیل غذا کا اصول اختیار کریں ۔ضبط نفس کا مظاہرہ کریں ۔سحری و افطاری میں معمول کی سادہ غذا لی جائے ۔البتہ غذا ایسی ہو جس میں صحت کے لئے متوازن اجزاء ہوں ۔مگر ہمارے ہاں روزہ کے مطلوبہ طبی فوائد اس لئے نہیں حاصل ہو پاتے کہ ہم لوگ ماہ رمضان المبارک میں بسیار خوری کرتے ہیں ۔مرغن غذاؤں کا استعمال بڑھا دیتے ہیں اور ثقیل غذا کی بجائے کھانے میں اضافہ کر دیتے ہیں اور ہمارے گھروں میں رمضان المبارک میں کھانے پینے کا بجٹ دوگنا ہو جاتا ہے ۔جس سے روزہ کے دینی اور طبی پہلو، دونوں کے مقاصد پورے نہیں ہوتے کیونکہ زائد از ضرورت غذا کو جلانے کے لئے اور اسے بدن سے خارج کرنے کے لائق بنانے والے اعضائے ہضم کو زیادہ توانائی خرچ کرنا پڑتی ہے جو اعضاء اس عمل میں زیادہ کام کرتے ہیں اس سے اضافی بوجھ اٹھانا پڑتا ہے ۔

ہمارے ہاں افطاری اور افطار و دعوتوں میں سموسے پکوریاں پکوڑے وغیرہ بکثرت استعمال ہوتے ہیں ۔گھروں میں بھی انواع اقسام کے کھانے تیار ہوتے ہیں اس طرح معدہ بوجھل ہوتا ہے اور زیادہ کام کرنا پڑتا ہے ۔نماز تراویح میں طبیعت میں اضمحلال محسوس ہوتا ہے اور بھوک کم ہو جاتی ہے چند دنوں میں نقاہت کا احساس ہونے لگتا ہے حالانکہ روزہ کا صحیح طریقہ یہ ہے ۔سادہ غذا سے روزہ رکھا جائے ۔اس طرح افطار بھی سادہ کیا جائے ۔کھجور یا دودھ زیادہ مناسب ہے ۔کھجور حضور ﷺ کی مرغوب غذا ہے اور حیاتین سے بھرپور ہے اور جلد جزو بدن بن جاتی ہے ۔نماز مغرب کے بعد معمول کا سادہ سالن روٹی لی جائے ۔پھر کوئی پھل لے سکتے ہیں مگر ہمارے ہاں لوگ افطاری میں اس قدر کھاتے ہیں کہ دن بھر معدہ کو جو آرام ملتا ہے وہ اس سے زائل ہو جاتا ہے ۔نماز تراویح میں غذا منہ کو آتی ہے اور طبیعت بوجھل ہوتی ہے ۔سادہ طریقے سے روزہ رکھا جائے تو نہ صرف قلیل غذا کا مقصد پورا ہو گا بلکہ دل و دماغ اور گردوں کا آرام کا موقع ملے گا جس سے ان کی کارکردگی بہتر ہو گی ۔یورپ والے جو ہر شے کو مادیت اور ظاہری حسن سے دیکھتے ہیں فاقہ کے نام سے روزہ کے معترف ہیں اور متعدد امراض میں علاج قرار دیتے ہیں ۔آج کل سلمنگ سنٹروں کی بھرمار ہے جہاں مصنوعی ادویہ اور فاقہ سے علاج کیا جاتا ہے مگر دیکھا جائے تو روزہ موٹاپا کا قدرتی علاج ہے ۔روزہ میں مرغن اشیاء پراٹھے، چاول، پکوڑے، سموسے اور پکوریاں وغیرہ سے پرہیز کریں اور سادہ غذا سے سنت نبوی ﷺ کے مطابق روزہ رکھیں اور افطار کریں اس طرح روزہ کے طبی پہلو اور اللہ کی رحمت سے استفادہ کرسکتے ہیں ۔ ❀

ایک نو مسلم کا ایمان

اوریا مقبول جان

☆ اس کا بچپن اور جوانی امریکی ریاست اریزونا میں بسر ہوئی ۔ یہ ریاست بے آب و گیاہ پہاڑوں ، ریگستانوں اور تھوڑے سے باغات کی وجہ سے بالکل ایسے لگتی ہے جیسے بلوچستان ہے ۔ اگر ان وادیوں کے درمیان سے ایک شاندار موٹر وے نہ گزر رہی ہو اور جگہ جگہ خوبصورت ہوٹل اور پٹرول پمپ نہ ہوں تو ایسے لگے جیسے آپ سوراب سے ہنگور جارہے ہیں یا پھر کاکڑ خراسان سے لورالائی جارہے ہیں۔ اس ریاست میں اس نے انجینئرنگ کی تعلیم حاصل کی اور ایک عام امریکی کی طرح زندگی گزارنے لگا۔ چونکہ ایک ایسی ریاست سے اس کا تعلق تھا جہاں پانی کی کمی تھی اس لیے اس نے اپنے علم کو پانی کی تلاش اور ترسیل کے لیے مخصوص کرلیا۔ اکثر پڑھے لکھے امریکیوں کی طرح اسے بھی عالمی اداروں اور بڑی بڑی عالمی کمپنیوں میں ملازمت ملنا مشکل نہ تھی۔ اسے بھی ایسی ہی ایک انٹرنیشنل کمپنی میں ملازمت مل گئی جس کی وجہ سے اسے افریقہ کے ایسے ممالک میں کام کرنے کا موقع ملا جہاں قحط، خشک سالی، غربت اور محکومیت چاروں طرف نظر آتی تھی۔ یہاں اس امریکی کے سامنے اس کے اپنے ملک اور اپنے ہم مذہب لوگوں کا دہرا معیار پہلی دفعہ نظر آیا۔ صومالیہ میں اس کی پوسٹنگ نے تو جلتی پر تیل کا کام کیا۔ اس نے قحط زدہ لوگوں کی امداد کے نام پر آئے ہوئے امریکیوں کو ایک خاص تعصب کے ساتھ مسلمانوں پر گولیاں برساتے دیکھا۔ اس نے سوڈان میں کیمیائی ہتھیار تباہ کرنے کے نام پر وہاں کی سب سے بڑی دوائیوں کی فیکٹری تباہ ہوتے دیکھی جس کے بعد وہاں کے مسلمان عام اسپرین کی گولی کے لیے بھی ترسنے لگے۔

میری اس سے ملاقات جنوری 99ء میں ایشین ڈویلپمنٹ بینک کے ہیڈ کوارٹر منیلا میں ہوئی۔ وہ مسلمان ہو چکا تھا۔ ہزاروں کمروں کی اس عمارت میں اس کے کمرے کے باہر بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کی خوبصورت تختی لگی ہوئی تھی۔ یوں تو منیلا کے شہر میں ہزاروں مسلمان رہتے ہیں۔ اور ایشین بینک میں کئی سو مسلمان کام کرتے ہیں جن میں پاکستانی بھی ہیں لیکن جس کے کمرے کے دروازے سے اس بات کا اظہار ہو کہ وہ مسلمان ہے، وہ ڈیوڈ کا کمرہ تھا۔ جواب اپنے آپ کو داؤد کہتا تھا۔ ایک گورا امریکی جسے اللہ تعالیٰ نے ہدایت دی تو اس نے صومالیہ کی ایک کالی مسلمان عورت سے شادی کرلی۔ ہدایت کا نور عجیب ہے آدمی کے اردگرد اپنا ہالہ بنالیتا ہے۔ منیلا کے مسلمان بھی اس ہالے سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔ وہ دیکھتے تھے کیا عجیب امریکن ہے۔ انگریزی بول رہا ہو تو ہمیشہ اللہ کے ذکر پر سبحانہ و تعالیٰ کہتا ہے، کبھی GOD کا لفظ استعمال نہیں کرتا۔ وہ تمام الفاظ جو مسلمان کی پہچان ہیں جیسے السلام علیکم، بسم اللہ، الحمد للہ، سب اسی طرح بولتا ہے۔ کبھی اس نے HI, THANK's GOD یا GOOD LUCK نہیں کہا۔ اتنے بڑے ادارے میں کام کرتا ہے۔ ہزاروں تقریبات ہوتی ہیں۔ کسی کی بات پسند آجائے تو تالی نہیں بجاتا زور سے اللہ اکبر کہہ دیتا ہے۔ اس کے گھر میں ایک عجیب عالم تھا جو میں نے دیکھا۔ حجاب میں ملبوس ایک بیوی اور ایک سات سالہ بیٹی، میں جس دن اس کے گھر گیا تو داؤد نے بتایا کہ آج کے دن وہ پیدا ہوئی تھی لیکن اس گھر میں کوئی سالگرہ کا سماں نہ تھا۔ میں نے پوچھا تو بچی نے خود کہا کہ میں سالگرہ نہیں مناتی ۔ میں نے کہا اس میں دوست آتے ہیں، تمہیں تحفے ملتے ہیں۔ اس نے کہا میرے دوست اور ماں باپ ویسے ہی میری اچھی باتوں سے خوش ہو کر تحفے دے دیتے ہیں پھر اس رسم کی کیا ضرورت ہے۔ داؤد کی بیوی نے کہا کہ ہم لوگ یہاں کسی کلب میں نہیں جاتے، ڈانس نہیں کرتے لیکن ایک دفعہ ہم تینوں بے اختیار خوشی سے ناچ اٹھے جب پاکستان نے ایٹمی دھماکہ کیا تھا۔

لیکن جس بات نے مجھے حیرت اور شرمندگی میں ڈال دیا وہ شاید ہم سب کو بحیثیت مسلمان حیرت میں ڈال دے۔ میں اس کے ساتھ ایشین بینک کے ایک کمرے میں جسے لوگوں نے نماز پڑھنے کے لیے مخصوص کیا تھا، نماز پڑھنے گیا۔ میں قصر (کی آدمی) نماز پڑھ کر تھوڑی ہی دیر میں باہر آ گیا لیکن اسے وہاں سے باہر آنے میں پون گھنٹہ لگ گیا۔ میں حیران تھا کہ یہ شخص میرا اتنا بھی خیال نہیں کرتا، مجھے باہر کھڑا کر گیا۔ میں سوچ رہا تھا کہ وہ میرے پاس آیا اور انتہائی شرمندگی اور عاجزی سے کہنے لگا: اصل میں تم لوگوں نے بچپن سے اللہ تعالیٰ کا ذکر سنا ہوتا ہے، مسلمان گھر میں پیدا ہوتے ہو۔ اس لیے تم نماز پڑھتے ہو تو اللہ تعالیٰ کا تصور ذہن میں لانے میں کتنی آسانی ہوتی ہے، مجھے تو آدھا گھنٹہ لگ جاتا ہے اپنے ذہن کو یکسو کر کے یہ کیفیت لانے میں کہ میں اللہ تعالیٰ کے حضور کھڑا ہوں۔ آپ مجھے مہربانی کرکے کوئی ایسا طریقہ بتادو کہ میں جلدی سے اللہ تعالیٰ کے تصور میں اپنے آپ کو یکسو کرسکوں۔ میری آنکھوں سے ایک دم آنسو نکل پڑے۔ شرم سے میرا سر جھک گیا۔ میرے دامن میں اپنے ایمان کی کمتری کے سوا کچھ نہ تھا۔

میں شرمندہ کیوں نہ ہوتا۔ ہم اللہ تعالیٰ کے سامنے جاتے ہوئے اتنا بھی خوف نہیں کھاتے جتنا ایک پٹواری یا تھانیدار کے سامنے جاتے ہوئے کھاتے ہیں۔ ہم انگلش میڈیم میں چار جماعت پڑھ لیں تو ہمیں اس وقت تک سکون حاصل نہیں ہوتا جب تک WISH YOU GOOD LUCK, HI, OH GOD, نہ کہہ لیں۔ میں آنسوؤں سے رو رہا تھا اور داؤد مجھ سے اور متاثر ہو رہا تھا کہ میں اللہ تعالیٰ کے خوف اور خشیت سے رو رہا ہوں حالانکہ میں تو اپنے ایمان کی کمزوری، اپنے عمل کی کمتری اور اپنی شرمندگی کی وجہ سے رو رہا تھا۔ ❀


Louis Arden
Distributors: Jasina Trading Est.
P.O.Box: 15700, Deira, Dubai, U.A.E. Tel: +971 4 2233928
Fax: +9714 2272296 E-mail: jaseena@emirates.net.ae